دسمبر 96

55

تدبّر
لاہور

زیرِ نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمائیے

حکمت قرآن

موضوعات:

- امام فراہیؒ کا تصور حکمت
- حکمت کی اصل اور اس کی فروع
- حکمت اور قرآن حکیم
- دین اسلام کا نظام
- دین اسلام کی بنیادیں
- حکمت کا مفہوم
- حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
- حکیم کا طرز فکر و تعلیم
- مذاہب پر غور کا طریقہ

ترجمہ = خالد مسعود   قیمت = /75 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ - اچھرہ' لاہور 54600

فون = 7595200

اسباق النحو

مصنف: خالد مسعود

- ○ امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- ○ عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- ○ اسم' فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ○ ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔

مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت: 36 روپے

شائع کردہ: ادارہ تدبر قرآن و حدیث مسلم کالونی رحمان سٹریٹ سمن آباد لاہور

زیر نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

تدبر لاہور

دسمبر 1996ء

شمارہ نمبر 55

شعبان 1417ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال	محبوب سبحانی	2

تدبر قرآن

تفسیر سورہ طٰہٰ	خالد مسعود	6

تدبر حدیث

طہارت کے احکام	امین احسن اصلاحی/ سید اسحاق علی	16
مدینہ منورہ کے فضائل و خصوصیات	امین احسن اصلاحی/ سعید احمد	24

مقالات

رسول اللہؐ کی دعوت کے مکی دور میں اہل کتاب کا کردار (2)	خالد مسعود	35
یہود کو نبی امیؐ پر ایمان لانے کی دعوت	خالد مسعود	43

مجلس ادارت:

عبد اللہ غلام احمد

ماجد خاور

محبوب سبحانی

سعید احمد

○

قیمت: ۱۰/ روپے

سالانہ: ۴۰/ روپے

بیرون ملک: ۲۰۰/ روپے

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ مسلم کالونی سمن آباد لاہور

مطبعہ: المطبعۃ العربیہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

محبوب سبحانی

عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال

جناب اسرار عالم ہندوستان کے ایک معروف اسکالر ہیں جن کی تحقیق کا موضوع جدید دور کا عالم اسلام قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے عالم اسلام کی سیاسی' اقتصادی اور روحانی صورت حال پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اسی ضمن میں انھوں نے مغربی مصنفین کی تحریروں اور بین الاقوامی ایجنسیوں کے نظام اور طریق کار کو بھی واضح کیا ہے تاکہ عالم اسلام ان کے عزائم اور پالیسیوں پر مطلع ہو سکے' "عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال" جناب اسرار عالم کی تازہ ترین تصنیف ہے جو دانش بک ڈسٹری بیوٹرز 1739/3 بیسمنٹ کوہ نور ہوٹل' پٹوڈی ہاؤس' دریا گنج نیو دہلی سے دستیاب ہے۔

زیر نظر کتاب میں فاضل مصنف نے بڑی تحقیق و جستجو کے بعد اور شرح و بسط کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ عالم اسلام کے زوال میں یہود کی پیہم سازشوں' ریشہ دوانیوں اور مکر و فریب کا کتنا دخل ہے۔ یہود کی دیرینہ خواہش یہ ہے کہ دنیا میں خدا کے محبوب بندے بن کر صرف وہی باقی رہیں' وہ ساری دنیا کو اپنا غلام بنا کر ان پر حکومت کریں' تمام دوسری اقوام اور بالخصوص مسلمان' غلط روش اختیار کر کے عند اللہ مبغوض بن جائیں۔ اسی لیے عیسائی اور اسلامی دنیا میں انھوں نے اپنی عقل و دانش کا سارا زور یہ ثابت کرنے پر لگا دیا ہے کہ "خدا مر گیا ہے" اور ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جن کے نتیجہ میں پوری دنیا میں اخلاقی اقدار تلپٹ ہو کر رہ گئی ہیں۔ کتاب کے مندرجات کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا عنوان کچھ غیر موزوں سا نظر آتا ہے۔

فاضل مصنف بتاتے ہیں کہ اسلام نے یہود کو ان کے حقوق دیے اور تاریخ میں امن و سکون کے ساتھ کام کرنے کا موقع انھیں اسلامی حکومتوں کے تحت میسر آیا۔ بنو عباس کے دور حکومت میں انھوں نے پورے عالم اسلام میں منتشر یہودیوں کو ایک نظام میں مربوط کیا۔ انتظامی' مذہبی اور روحانی سربراہی کے تمام ادارے بغداد' کوفہ اور بصرہ میں تھے جو پوری مملکت کے یہودیوں پر اپنا حکم چلاتے تھے۔ حسب عادت یہود نے امت مسلمہ کے سرمایہ دینی کو اسی طرح بگاڑنے کی سازش کی جس طرح کی سازش انھوں نے نصاریٰ کے خلاف کر کے اس میں کامیابی حاصل کی تھی۔ یہ سازش علمی و عقائدی سطح تک ہی محدود نہ تھی بلکہ سیاسی' عسکری اور حکومتی سطح پر بھی محیط تھی۔ امت مسلمہ کی سلامت طبع اور اسلام کی قوت مدافعت کے باعث چند صدیوں تک یہود اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے' جبکہ اس دوران میں امت مسلمہ نے قرآن مجید اور ذخیرہ حدیث کو محفوظ کر لیا' یونانی فلسفہ کے مقابلہ کے لیے علم کلام سے کام لیا اور اسلامی قانون کو بڑی حد تک مدون کر دیا۔ لہٰذا اسلام کے علوم و عقائد پر حملہ کرنا آسان کام نہ رہا۔ جب امت دین کے دفاع میں سرخرو رہی تو یہود نے سازشیں کر کے

اس پر خارج سے حملے کروائے۔ صلیبی جنگوں کا سلسلہ امت کے نظام حکومت کو تاراج کرنے کی ایک کوشش تھا۔ یہود نے بالآخر اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے چنگیز خان کو چنا جس نے خوارزم شاہ کو شکست دی۔ اس کے بیٹے ہلاکو خان نے بغداد کا رخ کیا جہاں خلیفہ کا شیعہ وزیر ابن علقمی پہلے سے سازش کا پورا جال پھیلا چکا تھا۔ 1258ء میں خلافت بنو عباس کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن یہود کی یہ کامیابی عارضی ثابت ہوئی اور خلافت دوبارہ مصر میں قائم ہو گئی۔ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف کہتے ہیں کہ :

> "صدیوں پر محیط جدوجہد نے یہودیوں کو اس تجربہ سے آگاہ کیا کہ وہ اپنی سازشوں میں ناکام ہو گئے ہیں۔ مکر و فریب' سازشوں اور تدبیروں کے ہزاروں جال پھیلانے کے باوجود جب انھوں نے دیکھا کہ اسلام کی قوت دفاع اور امت مسلمہ کی سلامت طبع نے ان کے سحر کو توڑ کر رکھ دیا ہے تو وہ عالم اسلام میں اپنے مستقبل سے مایوس ہو گئے۔ انھوں نے ایک کھلی شکست کھائی تھی۔ یہ شکست ایسے محاذ پر تھی جو یہودیوں کا سرمایہ افتخار تھا ——— چنانچہ انھیں ایک نئی اور اپنے فاسد ذہن کے لیے موافق اور زرخیز زمین کی تلاش ہوئی"۔

یہ نئی زمین یورپ تھا جس کو یہودیوں نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لیے چنا۔ انھوں نے ہیومنائزیشن' ریشنلائزیشن اور سیکولرائزیشن کے ناموں سے ایسی تحریکیں چلائیں جن کا اصل مقصد وحی الٰہی کا انکار' عقل انسانی کی فوقیت کا اقرار اور اخلاقی قدروں کا انہدام تھا تاکہ ایک آزاد اور اباحیت پسند معاشرہ وجود میں آئے۔ ان ہتھیاروں کے استعمال سے یورپ کی سرزمین جلد ہی مسخر ہو گئی کیونکہ کلیسا کا نظام کئی خرابیاں لیے ہوئے تھا اور رائج عیسائیت کی کوئی مضبوط بنیاد نہ تھی۔ مزید برآں یہودیوں کا یہ جادو بھی چل گیا کہ دانشمندی اور سیکولرزم دونوں ایک چیز ہیں۔ یورپ میں کامیابی نے یہود کو حوصلہ دیا کہ وہ اس تجربہ کی روشنی میں دوبارہ اپنے اصل حریف عالم اسلام پر نئے عزم' نئی مورچہ بندی اور نئے اسلحہ سے حملہ آور ہوں۔ اس حملہ کا خاکہ 1699ء سے تیار کیا جانے لگا لیکن اس پر عمل درآمد 1799ء سے شروع ہوا۔

فاضل مصنف کے نزدیک اس حملہ میں سیکولرائزیشن کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل تھی جس کے مقاصد چار تھے اور ہیں : مخالف ادیان کا خاتمہ' دین ربانی کو اس کے منبع سے منقطع کرنا' مخالفین کی قوتوں کا یہودی مقاصد کے لیے استعمال' مخالفین کے یہاں ربانی نظام کے بجائے شیطانی نظام کو رواج دینا۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے متعدد طریقے اختیار کیے گئے مثلاً قومیت اور علاقائیت کو ابھارا گیا' جمہوریت کو واحد صحیح سیاسی نظام قرار دیا گیا' انتظامی سطح پر سیکولر قوتوں کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دیا گیا' بڑے پیمانے پر آبادیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا' معاشرہ میں جنسی انارکی پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ وغیرہ۔ خاص اسلامی معاشرہ کو سیکولرائز کرنے کے لیے ہر طریقہ اور تدبیر اختیار کی گئی' کسی شعبہ زندگی کو چھوڑا نہیں گیا۔ یورپی نو آبادیوں میں نظام تعلیم کو خاص طور پر ہدف بنایا گیا۔ نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں۔ زبان و ادب' ابلاغ' وضع قطع' رسم الخط' طرز تعمیر' شعری

آبکاری' ذرائع ابلاغ' رسوم و رواج' ڈرامہ وغیرہ ہر چیز میں ایسی تبدیلیاں لائی گئیں جس سے سیکولرائزیشن کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔ فاضل مصنف کے نزدیک یہودیوں کا عالم اسلام پر یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ انیسویں صدی ہی میں مسلم معاشرہ یا تو سیکولرائز ہو چکا تھا یا اس کے وہ طبقات جو اس رو میں بہہ جانے سے انکاری اور اس کی راہ میں مزاحم تھے معاشرہ میں بے حیثیت اور محصور و مجبور زندگی گزارنے کی سطح پر آ چکے تھے۔ اس پورے عمل میں کامیابیوں کا خلاصہ تین صورتوں میں بطور خاص نمایاں ہوا۔ دو متوازی نظام تعلیم رائج ہوئے' ہر ملک میں اپنی زبان کے علاوہ ایک اور زبان رائج ہو گئی' خلافت کا ادارہ بطور ادارہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ چھوٹی چھوٹی قومی ریاستیں وجود میں آ گئیں جن کی زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو سیکولرائز ہو چکے تھے۔

فاضل مصنف نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ امت مسلمہ یہود کی ان سازشوں کا مقابلہ کیوں نہ کر سکی۔ وہ اس کے تین اسباب بتاتے ہیں:

(1) خلافت کے نظام میں عالمی کونسل کا نہ ہونا' لہٰذا خلافت عثمانیہ صرف ترکوں کو متاثر کر سکتی تھی' باقی دنیا اس کے اثر سے آزاد تھی۔ (2) حج کا نظام درست نہ ہونا۔ مکہ کو جانے والے راستے بالعموم غیر محفوظ تھے اور انتظامات بے حد ناقص۔ (3) خلافتی اجتماعیت کا فقدان جس کے نتیجہ میں چھوٹی چھوٹی عصبیتوں نے سر اٹھایا اور تصور امت پر ضرب لگی۔

ہمارے نزدیک عالم اسلام کی زبوں حالی کے یہ اسباب بالکل سطحی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دشمنوں کی کوئی سازش امت کی داخلی کمزوریوں اور خرابیوں کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ جناب اسرار عالم کا اپنا مقدمہ بھی یہی ہے کہ چند صدیوں تک یہود کی سازشیں اسلام کی قوت دفاع اور امت کی سلامت طبع کے باعث کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قوت دفاع اور امت کی سلامت طبع میں کمزوری پیدا نہ ہوتی تو اغیار امت کو زک پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ فاضل مصنف ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اللہ اور رسول سے تعلق کمزور ہونے کی وجہ سے عالم اسلام کی اخلاقی حالت ابتر ہوئی ہے۔ انھیں چاہیے تھا کہ وہ متعین کرتے کہ یہ تعلق کمزور کن اسباب کی بناء پر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں نظام خلافت موثر نہ ہونے یا حج کے راستے محفوظ ہونے کا خاص عمل دخل نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس اس میں یہود کی سازش کو بھی دخل نہیں بلکہ یہ امت اور افراد امت کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ ہمارے نزدیک کتاب کے عنوان کا تقاضا یہ تھا کہ مصنف اخلاقی زبوں حالی کے ان داخلی اسباب پر بھی سیر حاصل بحث کرتے تاکہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے تشنہ نہ رہ جاتی۔ کتاب کی موجودہ ترتیب سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شائد مصنف اس کے دوسرے حصہ میں داخلی اسباب پر بحث کرنا چاہتے ہوں۔

یہود کی جدید ترین اسٹریٹجی نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے سامنے آئی ہے۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق اس کا مقصد دنیا بھر میں ایک "قابل برداشت سوسائٹی" قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ساری دنیا کو غیر مسلح کیا جائے گا' معاشی طور پر غلام بنا لیا جائے گا اور زندگی کی قدروں کو تبدیل کر کے عقائدی اور فکری اختلافات کو ختم کیا جائے گا۔ اس پروگرام کے لیے اقوام متحدہ کی چھتری

استعمال کی جائے گی۔ جبکہ امریکہ قوت نافذہ فراہم کرے گا جس کو یہود کے شکنجہ میں پہلے سے کس دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت پوری دنیا میں حقیقی قوت یہود کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گی۔ ان کے پاس اسلحہ بھی ہو گا' معاشی وسائل بھی ہوں گے اور قوت نافذہ بھی۔ باقی دنیا ان کے رحم و کرم پر ہو گی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے 2030ء تک کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کی رائے میں یہود کو عالم اسلام میں ابھی تک وہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی جو ان کے پیش نظر تھی' لہٰذا اب ان پر ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ اس کیفیت میں یہ قوم کوئی سا ہیبت ناک سے ہیبت ناک اقدام کر سکتی ہے۔ اس ظالم قوم سے کسی بھی شر کا ظہور بعید از قیاس نہیں ہے۔ انھوں نے عالم اسلام میں سیکولرائزیشن کے عمل کو تیز تر کرنے اور اسے بزور نافذ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ لہٰذا اس صورت حال کا منطقی تقاضا ہے کہ امت اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جائے اور اپنا مرکز خلافت قائم کرے۔

یہاں بھی فاضل مصنف سے وہی تسامح ہوا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ مسلم ممالک نے علاقائی تعاون کی تنظیمیں بنا رکھی ہیں' عرب ممالک نے عرب لیگ بنائی اور تمام اسلامی ملکوں نے OIC کی تنظیم بنائی لیکن اس کا حاصل کیا ہوا۔ اگر یہ باہم مل کر خلافت کا کوئی نظام بھی قائم کر لیں گے تو نظر یہی آتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ اور امریکہ سے آزاد ہو کر اپنا کوئی کردار ادا نہ کر سکے گا۔ اگر OIC امت کو درپیش مشکلات میں کوئی معمولی کارکردگی دکھا چکی ہوتی تو نظام خلافت سے بھی حسین توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں لیکن بصورت موجودہ ہماری داخلی کمزوریاں' جن کا تجزیہ فاضل مصنف نے پیش نہیں کیا' ہمیں نیو ورلڈ آرڈر کے عزائم کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ چھوڑیں گی۔ سیکولرائزیشن کی لائی ہوئی منکرات اپنی شکل و صورت میں نئی ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ اسی طرح کا شر ہے جو ہمیشہ سے اہل خیر کے قدم ڈگمگانے کے لیے شیطان ایجاد کرتا رہا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لیے اللہ کے دین کا علم پھیلانا' لوگوں میں اللہ کا خوف اور آخرت کا یقین پیدا کرنا اور منکرات کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا ہو گا۔ اگر ہم اس میں ناکام رہتے ہیں تو یہود کو کوئی بڑی اسٹریٹجی اختیار کرنے کی زحمت ہی نہیں کرنی پڑے گی اور ہم اس کے دام تزویر میں آ چکے ہوں گے۔

جناب اسرار عالم کی یہ علمی و تحقیقی تصنیف اپنے اندر بڑی افادیت رکھتی ہے۔ یہ بڑی معلومات افزا کتاب ہے جس میں سیکولرائزیشن کی تو پوری تاریخ سمو دی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان بے شمار کتابوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے جن سے فاضل مصنف نے استفادہ کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں حواشی اور حوالہ جات ہیں' ان عربی' فارسی اور انگریزی عبارتوں کے ترجمے ہیں جو متن کتاب میں آ چکی ہیں۔ آخر میں مفصل اشاریہ دیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ یہود کی سازشوں کے باعث مسلمانوں کی تاریخ مسخ ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کے اپنے اہل قلم نے بھی جب اس موضوع پر لکھا تو یہود کی پھیلائی ہوئی بے بنیاد باتوں سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ ہمیں اس تجزیہ سے اتفاق ہے۔ فی الواقع عالم اسلام کی تاریخ کو از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ نسلیں اپنے ماضی کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھ سکیں۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ طٰہٰ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

یہ سورہ طٰہٰ ہے ○ ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا ہے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ ○ یہ تو بس ان لوگوں کے لیے یاد دہانی ہے جو خدا سے ڈریں [1] ○ یہ نہایت اہتمام کے ساتھ اس ذات کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے ○ جو رحمان عرش حکومت پر متمکن ہے [2] ○ اسی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے' جو کچھ زمین ہے' جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے ۶○

خواہ تم علانیہ بات کہو یا چپکے سے' وہ علانیہ اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے ○ اللہ ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تمام اچھی صفتیں اسی کے لیے ہیں ۸○

اور کیا موسیٰ کی سرگزشت تمھارے علم میں آئی ہے [3] ○ جب کہ اس نے دیکھا ایک شعلہ تو اس نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ تم لوگ ذرا ٹھہرو' مجھے آگ نظر آئی ہے تاکہ میں اس میں سے ایک انگارہ لاؤں یا ممکن ہے مجھے وہاں راستہ کا کچھ سراغ مل جائے ○ ۱۰

تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو آواز آئی کہ اے موسیٰ ○ یہ تو میں تمھارا رب ہوں تو تم اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو [4] ○ اور میں نے تم کو برگزیدہ کیا تو جو وحی کی جا رہی ہے اسے غور سے سنو ○ بیشک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کیجیو اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام رکھیو ○ بے شک قیامت شدنی ہے' میں اس کو چھپائے ہی رکھوں گا تاکہ ہر جان کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے [5] ○ تو نماز سے تمھیں وہ شخص غافل نہ کرنے پائے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں کا پیرو ہے کہ تم ہلاک ہو کر رہ جاؤ [6] ○ ۱۶

اور یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے' اے موسیٰ ○ اس نے کہا' یہ میری لٹھیا ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں ○ فرمایا' اس کو زمین پر ڈال دو' اے موسیٰ ○ اس نے اس کو ڈال دیا تو دفعۃً وہ ایک رینگتا ہوا سانپ بن گئی ○ فرمایا اس کو اٹھا لو اور ڈرو نہیں' ہم اس کو پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے ○ اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کی طرف سکیڑ لو' وہ وہاں سے ایک دوسری نشانی بن کر' چٹا سفید' بغیر کسی مرض کے' برآمد ہو گا ○ تاکہ ہم اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض کا تمھیں مشاہدہ کرائیں [7] ○ ۲۳

تم فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے ○ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے سینے کو میرے لیے کھول دے ○ اور میری مہم کو آسان کر ○ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ○ کہ

لوگ میری بات سمجھیں [8] ○ اور میرے خاندان سے میرے بھائی ہارونؑ کو ○ میرے لیے وزیر مقرر کر کے ○ میری کمر کو مضبوط کر ○ اور اس کو میری ذمہ داری میں شریک بنا ○ کہ ہم تیری زیادہ سے زیادہ تسبیح کریں اور زیادہ سے زیادہ تیرا چرچا پھیلائیں ○ بے شک تو برابر ہمارا نگران حال رہا ہے ○ فرمایا' تمھاری درخواست منظور ہوئی' اے موسیٰؑ ○ ۳۶

اور ہم نے تم پر ایک بار اور بھی اپنا فضل کیا ○ جب کہ ہم نے تمھاری ماں کو الہام کی وہ بات جو وحی کی جا رہی ہے ○ کہ اس کو صندوق میں رکھ دو پھر اس کو دریا میں ڈال دو۔ پس یوں ہو کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے کہ اس کو اٹھا لے وہ جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ اور میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا اور تاکہ تمھاری پرورش میری نگرانی میں ہو [9] ○ جب کہ تمھاری بہن جاتی اور کہتی تھی کہ کیا میں ایسے لوگوں کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش کریں۔ پس ہم نے تم کو تمھاری ماں کی طرف لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائے۔ [10] ○

اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی [11] اور ہم نے تم کو خوب خوب پرکھا۔ پھر تم کئی سال اہل مدین میں رہے۔ پھر ایک خاص اندازے کیے ہوئے وقت پر تم یہاں پہنچے اے موسیٰ ○ اور میں نے اپنے کار خاص کے لیے تمھیں منتخب کیا [12] ○ ۴۱

تم اور تمھارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا ○ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے ○ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو' شاید وہ یاد دہانی حاصل کرے یا ڈرے ○ ۴۴

انھوں نے عرض کی اے ہمارے خداوند' ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرے یا اس کی سرکشی اور بڑھ جائے ○ فرمایا تم اندیشہ نہ کرو' میں تمھارے ساتھ سب کچھ سنتا دیکھتا ہوں [13] ○۔ پس اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں' تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ' ہم تیرے خداوند کے پاس سے ایک بڑی نشانی بھی لے کر آئے ہیں۔ اور سلامتی ان لوگوں پر ہے جو ہدایت کی پیروی کریں ○ ہم پر یہ وحی کی گئی ہے کہ ان لوگوں پر عذاب ہے جو جھٹلائیں اور اعراض کریں ○ ۴۸

اس نے سوال کیا' اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے [14] ○ اس نے جواب دیا' ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی پھر اس کی رہنمائی کی [15] ○ اس نے پوچھا' تو پھر اگلی قوموں کا کیا حال ہے ○ اس نے جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس ایک رجسٹر میں ہے۔ نہ میرا رب بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے ○ ___ وہی جس نے تمھارے لیے زمین کو گہوارا بنایا اور اس میں تمھارے لیے راہیں نکالیں اور آسمان سے پانی برسایا' پس ہم نے اس سے مختلف نباتات کی گوناگوں قسمیں پیدا کر دیں ○ کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو چراؤ۔ اس کے اندر اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں ○ اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے [16] ○ ۵۵

اور ہم نے اس کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ○ اس نے کہا' موسیٰ! کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کر دو ○ تو ہم بھی تمھارے مقابل میں ایسا ہی جادو لائیں گے۔ تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک مقام معین ٹھہرالو' کوئی بیچ کی جگہ' نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں نہ تم [17]○ ۵۸

اس نے کہا' تمھارے لیے وعدے کا دن میلہ والا دن ہے اور یہ کہ لوگ بوقت چاشت جمع کیے جائیں ○ پس فرعون وہاں سے ہٹا اور اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کرکے پھر مقابلہ میں آیا ○ موسیٰؑ نے کہا تمھاری ناس ہو! اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تم کو کسی عذاب میں پیس دے [18] اور جس نے خدا پر جھوٹ باندھا وہ نامراد ہوا ○ ۶۱

پس انھوں نے آپس میں' اپنے معاملہ میں' مشورت اور سرگوشی کی ○ انھوں نے کہا یہ دونوں بڑے ماہر جادوگر ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھارے ملک سے بے دخل کر دیں اور تمھارے اعلیٰ نظام کو درہم برہم کرکے رکھ دیں [19]○ تو اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کر لو' پھر ان کے مقابل میں متحد ہو کر آؤ اور آج کامیاب وہی رہے گا جو غالب آئے گا ○ ۶۴

انھوں نے کہا اے موسیٰؑ! یا تو تم پیش کرو یا پھر ہم ہی پہلے پیش کرنے والے بنتے ہیں ○ اس نے کہا بلکہ تم ہی پیش کرو۔ دفعۃً ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے اس کو اس طرح نظر آنے لگیں گویا وہ رینگ رہی ہیں ○ تو موسیٰؑ دل ہی دل میں کچھ ڈرا ○ ہم نے کہا ڈرو نہیں' تم ہی غالب رہو گے ○ اور تم اس کو جو تمھارے ہاتھ میں ہے زمین پر ڈالو۔ یہ ان کے سارے سوانگ کو جو انھوں نے رچایا ہے نگل جائے گا۔ یہ کرتب جو انھوں نے دکھایا ہے یہ تو بس ایک جادوگر کا کرتب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا [20]○ تو جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ پکار اٹھے کہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے ○ ۷۰

فرعون نے کہا تم نے بدوں میری اجازت کے اس کی تصدیق کر دی۔ بے شک وہی تمھارا گرو ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے تو میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹوں گا اور تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہوتی ہے ○ ۷۱

انھوں نے جواب دیا کہ ہم ان روشن دلائل پر جو ہمارے پاس آئے ہیں اور اس ذات پر جس نے ہم کو پیدا کیا ہے' تم کو ہرگز ترجیح دینے والے نہیں ہیں تو تمھیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو بس اس دنیاوی زندگی کا کر سکتے ہو۔[21]○ ہم اپنے رب پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا' بخشے اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے ○ ۷۳

بے شک جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم کی حیثیت سے حاضر ہو گا تو اس کے لیے جہنم ہے' نہ اس میں مرے گا' اور نہ جیے گا ○ اور جو اس کے پاس باایمان ہو کر جائیں گے' انھوں نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے' تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے اونچے درجے ہوں گے ○ ان کے لیے ہیشگی کے باغ

ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ صلہ ہے اس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی [22]○ ۷۶

اور ہم [23]○ نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو شب میں لے کر نکل جاؤ۔ ان کے لیے دریا میں ایک خشک راہ کھول لو' نہ تمھیں تعاقب سے کوئی خطرہ ہو گا نہ ڈوبنے کا کوئی اندیشہ ○ تو فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا' بالآخر ان کو سمندر کی اس چیز نے ڈھانک لیا جس چیز نے ڈھانک لیا [24]○ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا' اس کو صحیح راہ نہ دکھائی ○ ۷۹

اے بنی اسرائیل' ہم نے تم کو تمھارے دشمن سے نجات بخشی اور تم سے طور کے مبارک جانب کو ایک میعاد ٹھہرائی اور تم پر ہم نے من و سلویٰ اتارا ○ کہ ہماری بخشی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس نعمت کو پاکر سرکشی نہ کیجیو کہ تم پر میرا غضب نازل ہو اور جس پر میرا غضب اترا وہ چلا ہوا [25]○ اور میں ان لوگوں کے لیے بڑا ہی غفار ہوں جو توبہ کریں' ایمان لائیں اور عمل صالح کریں پھر ہدایت کی روش اختیار کریں ○ ۸۲

اور اے موسیٰ' یہ تم کو' اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی آنے پر کس نے ابھارا ○ اس نے کہا' وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی ہیں' اور میں' اے میرے رب! تیری خوشنودی کے لیے جلدی چلا آیا ہوں ○ فرمایا تو ہم نے تمھاری قوم کو تمھارے پیچھے ایک فتنہ میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر ڈالا ○ تو موسیٰؑ اپنی قوم کے پاس غصہ اور غم سے بھرا ہوا لوٹا اور بولا کہ اے میری قوم کے لوگو' کیا تم سے تمھارے رب نے نہایت اچھا وعدہ نہیں کیا تھا! کیا تم پر زمانہ زیادہ گزر گیا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب کا غضب نازل ہو کہ تم نے میری ٹھہرائی ہوئی میعاد کی خلاف ورزی کر ڈالی ○ ۸۶

انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہمارے حوالہ کیا گیا تھا ہم نے اس کو پھینک دیا اور اس طرح سامری نے ڈھال کر پیش کر دیا [28]○ ۸۷

پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا برآمد کر دیا۔ ایک دھڑ جس سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی پس انھوں نے کہا یہی تمھارا معبود ہے اور یہی موسیٰؑ کا بھی معبود ہے لیکن وہ بھول گیا ہے ○ کیا یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے تھے کہ نہ وہ کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے ○ ۸۹

اور ہارونؑ نے ان سے پہلے ہی کہا کہ اے میری قوم کے لوگو' تم اس کے ذریعہ سے فتنہ میں ڈال دیے گئے ہو' تمھارا رب خدائے رحمان ہے تو میری پیروی کرو اور میری بات مانو [29]○ وہ بولے کہ ہم تو اب اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے تاآنکہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آ جائیں ○ ۹۱

موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب تم نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوئے جا رہے ہیں ○ تو تم کو میری پیروی سے کس چیز نے روکا! کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ○ اس نے جواب دیا کہ اے میرے ماں جائے اِنہ میری ڈاڑھی پکڑیے نہ میرا سر۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ یہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے

درمیان پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا لحاظ نہ کیا[30] ○ ۹۴

موسیٰ نے پوچھا' اے سامری تیرا کیا ماجرا ہے ○ اس نے جواب دیا مجھے وہ چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہیں آئی تو میں نے فرستادے کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی اور وہ اس میں ڈال دی اور اس طرح میرے نفس نے مجھے سجھایا[31] ○ موسیٰ نے کہا' چل دور ہو' اب تیرے لیے زندگی بھر یہ ہے کہ تو کہتا پھرے کہ کوئی چھوئے نہیں[32] اور تیرے لیے ایک اور وقت موعود بھی ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو فدا رہا ہے' ہم اس کو جلائیں گے' پھر اس کو سمندر میں بکھیر دیں گے ○ تمہارا معبود تو بس اللہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے ○
۹۸

اسی طرح ہم تمہیں ماضی کی سرگزشتیں بھی سناتے ہیں اور خاص اپنے پاس سے تمہیں بھی یاددہانی عطا کی ہے ○ جو اس سے اعراض کریں گے وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اٹھائیں گے ○ اسی کے تلے ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن یہ بہت بھاری بوجھ ہو گا ○ جس دن صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو اس دن ہم اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ خوف کے مارے ان کی آنکھیں نیلی پڑی ہوں گی ○ وہ آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ بس تم دس دن رہے ہو گے ○ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب کہ ان میں جو سب سے بڑا لال بجھکڑ ہو گا کہے گا کہ بس زیادہ سے زیادہ ایک دن تم ٹھہرے ہو گے[33] ○ ۱۰۴

اور وہ تم سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میرا رب انکو گرد و غبار کی طرح اڑا دے گا ○ اور زمین کو بالکل صفاچٹ چھوڑ دے گا ○ نہ تم اس میں کوئی کجی دیکھو گے اور نہ کوئی بلندی[34] ○ اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے۔ مجال نہیں کہ ذرا اس سے کج ہو سکیں اور ساری آوازیں خدائے رحمان کے آگے پست ہو جائیں گی' بس تم صرف کانا پھوسی ہی سنو گے ○ اس دن شفاعت نفع نہ دے گی الا آنکہ خدائے رحمان جس کو اجازت دے اور جس کے لیے کوئی بات کہنے کو پسند کرے[35] ○ وہ ان کے آگے اور انکے پیچھے جو کچھ ہے سب سے باخبر ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا ○ سب کے چہرے خدائے حی و قیوم کے حضور جھکے ہوئے ہوں گے اور جو کسی شرک کا مرتکب ہوا وہ نامراد ہوا[36] ○ اور جو نیک اعمال کرے گا اور وہ مومن بھی ہے تو اس کو نہ کسی حق تلفی کا اندیشہ ہو گا اور نہ کسی زیادتی کا ○ ۱۱۲

اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن کی صورت میں اتارا اور اس میں ہم نے اپنی وعید گوناگوں پہلوؤں سے واضح کر دی ہے تاکہ یہ لوگ خدا کے غضب سے بچیں یا یہ ان کے اندر کچھ سوجھ بوجھ پیدا کرے ○ پس اللہ بادشاہ حقیقی بہت برتر ہے۔ پس تم قرآن کے لیے' اپنی طرف اس کی وحی پوری کیے جانے سے پہلے' جلدی نہ کرو۔ اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب میرے علم میں افزونی فرما[37] ○ ۱۱۴

اور ہم نے اس سے پہلے آدم پر ایک عہد کی ذمہ داری ڈالی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں

عزم کی پختگی نہیں پائی[38] ○ اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ اس نے انکار کر دیا ○ تو ہم نے کہا کہ اے آدم' یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو تم کو کہیں جنت سے نکل نہ چھوڑے کہ تم محروم ہو کر رہ جاؤ ○ اس میں تم کو یہ مقام حاصل ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ○ اور نہ تم کو پیاس ستائے گی اور نہ دھوپ لگے گی ○ تو شیطان نے اس کو ورغلایا' کہا کہ اے آدم کیا میں تمہیں زندگی دوام کے درخت اور ایسی بادشاہی کا سراغ دوں جس پر کبھی کہنگی نہ آئے[39] ○ تو ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان کے ڈھانکنے کی چیزیں عریاں ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر باغ کے پتے گانٹھنے گونتھنے لگے اور آدم نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بھٹک گئے ○ پھر اس کے رب نے اس کو نوازا' اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی ○ حکم ہوا کہ تم سب یہاں سے اترو' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر تمہارے پاس میری ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا' نہ وہ گمراہ ہو گا اور نہ محروم رہے گا[40] ○ اور جو میری یاددہانی سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے ضیق کی زندگی ہو گی[41] اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا' میں تو بینا تھا ○ ارشاد ہو گا' اسی طرح دنیا میں ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں تو تو نے ان کو نظرانداز کیا تو اسی طرح تو آج نظرانداز کیا جائے گا ○ اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو جو حدود سے تجاوز کرے گا اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لائے گا اور عذاب آخرت زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہو گا ○ ۱۲۷

کیا ان کے لیے یہ چیز ہدایت دینے والی نہ بنی کہ کتنی ہی قوموں کو ان سے پہلے ہم نے ہلاک کر دیا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس کے اندر اہل عقل کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں ○ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک اجل معین مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب مسلط ہو کے رہتا ○ تو جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی' اس کی حمد کے ساتھ' تسبیح کرو سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم نہال ہو جاؤ[42] ○ اور ان کی بعض جماعتوں کو آسائش زندگی کی جس رونق سے ہم نے ان کی آزمائش کے لیے بہرہ مند کر رکھا ہے اس کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ اور تمہارے رب کا رزق بہتر اور پائدار ہے ○ اور اپنے لوگوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو۔ ہم تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم تم کو رزق دیں گے اور انجام کار کی فیروز مندی تقویٰ کے لیے ہے[43] ○ ۱۳۲

اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے رب کے پاس سے ہمارے لیے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے! کیا ان کے پاس اگلے صحیفوں میں جو کچھ مذکور ہے اس کی دلیل نہیں پہنچی ○ اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہی کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری ہدایات کی پیروی کرتے ○ کہہ دو' ہر ایک منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لو گے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور منزل پر کون پہنچے ○

حاشیہ سورہ طٰہٰ

مضمون: اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی خود پشت پناہی کرتا ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ کو دعوت کے معاملہ میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ صبر سے کام لیں۔ عجلت پسندی اور بے صبری نقصان پہنچاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے استدلال۔

۱۔ قرآن کوئی اوپری اور انوکھی چیز نہیں ہے۔ وہ کسی خارج سے لائی ہوئی چیز کو ہمارے اوپر ٹھونستا نہیں، بلکہ انہی حقائق کی یاددہانی کرتا ہے جو خود ہماری فطرت کے اندر موجود ہیں لیکن ہم ان سے غافل ہیں۔ اس کے آفاقی و انفسی دلائل بھی ہماری عقل کے خزانے میں موجود ہیں اور تاریخ سے استدلال بھی جانا پہچانا ہے۔ البتہ اس یاددہانی سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کی فطرت مسخ نہیں ہوتی اور وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن خالق ارض و سماء کا فرمان ہے۔ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں ہے کہ لوگوں نے قبول کر لی تو سائل پر ان کا کرم ہو گا۔ کائنات کے حقیقی فرمانروا نے اس کتاب کے ذریعے اپنے احکام و قوانین نازل کیے ہیں۔ ان کو نہ ماننے والے اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس سرگزشت میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ان کو کن آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور ان میں اللہ کی مدد نے کس طرح ان کو سہارا دیا۔ نبی ﷺ اس عملی مثال سے اپنی پریشانیوں میں طمانیت حاصل کر سکتے ہیں۔

۴۔ زمین ساری خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ چونکہ وادی طویٰ کو یہ خاص شرف حاصل ہو گیا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی تجلی اور اپنے کلام سے نوازا اس وجہ سے یہ وادی مقدس ٹھہری۔

۵۔ قیامت شدنی اور اٹل ہے۔ اس کا آنا اس لیے لابدی ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کا 'نیک ہو یا بد' بدلہ دیا جانا ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا اندھیر نگری بن جاتی ہے۔ فرمایا کہ ہرچند میں نے ابھی قیامت پر پردہ ڈال رکھا ہے لیکن خود قیامت کا یہ حال ہے کہ وہ بے نقاب ہو جانے کے لیے بالکل بے قرار ہے۔

۶۔ یعنی اگر نماز اور یاد آخرت سے غفلت ہوئی تو سمجھ لو کہ بیڑا غرق ہو جائے گا۔ یہی چیزیں سارے دین کی حفاظت کرنے والی اور شیطان کے فتنوں سے امان میں رکھنے والی ہیں۔

۷۔ یعنی بظاہر تو یہ دو ہی معجزے ہیں لیکن درحقیقت ان کے اندر بہت سے دوسرے معجزے بند ہیں۔ آگے جب امتحان کے مراحل آئیں گے تو انہی سے ہماری قدرت کے مزید کرشمے ظاہر ہوں گے۔ حضرت موسیٰؑ کو منصب نبوت پر مامور کرتے ہی یہ معجزے اس لیے دے گئے کہ ان کو ایک ایسے سرکش و جابر حکمران کی طرف بھیجا جا رہا تھا جو شخصی اور قومی دونوں اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کا جانی دشمن تھا۔ دعوت کے آغاز ہی میں اس پر یہ بات واضح کرنا ضروری تھا کہ اگر اس نے کوئی غلط اقدام کیا تو موسیٰ علیہ السلام بھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں۔

۸۔ یعنی علم و یقین کی روشنی عطا کر کے میرا حوصلہ بلند فرما' اس سخت مہم کے دوران اپنے فضل سے ہر مشکل کو آسان کر اور راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کر' میری زبان کو قوت اور روانی عطا فرما تاکہ لوگ میری دعوت کو سنیں اور سمجھیں۔

قرآن مجید سے توریت کی اس روایت کی تائید نہیں ہوتی کہ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی۔ بس یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک زبان آور خطیب نہیں تھے اور اس زمانہ میں ابلاغ کا موثر ذریعہ کسی خطیب کی خطابت و زبان آوری ہی تھی۔ یوں بھی حضرات انبیاء کو اللہ تعالیٰ خلقی نقائص سے محفوظ رکھتا ہے۔

۹۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم پر اپنی محبت کا پرتو اس لیے ڈالا کہ تم سے میرا اور تمہارا دشمن فرعون بھی محبت

کرنے لگے اور اللہ کی محبت کا یہی پرتو اس طرح تمہارا محافظ بن جائے کہ تمہیں اپنے جانی دشمن سے کوئی خطرہ نہ رہے اور تمہاری پرورش خاص ہماری نگرانی میں فرعون کے محل میں ہو۔

۱۰۔ صندوق کو جب دریا میں بہایا گیا تو حضرت موسیٰؑ کی بہن لوگوں کی نظر بچا کر اس کو دیکھتی رہیں اور جب اس کو فرعون کی بیوی نے دریا سے نکلوایا تو وہ بھی منظر پر آ موجود ہوئیں۔ جب بچے نے کسی دایہ کا دودھ نہیں پیا اور مچلنے لگا تو ان کو یہ تجویز پیش کرنے کا موقع ملا کہ میں ایک ایسے گھر والوں کو لا سکتی ہوں جو بچے کو مانوس کر لیں گے۔ یہ تجویز مان لی گئی اور موسیٰ اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے۔

۱۱۔ یہ اشارہ ہے حضرت موسیٰؑ کی جوانی کے اس واقعہ کی طرف جب وہ ایک اسرائیلی کو ایک قبطی کے ہاتھوں پٹنے سے بچانے کے لیے آگے بڑھے اور قبطی کو ایک گھونسا مارا۔ وہ کہیں ایسا بے ڈھب پڑا کہ قبطی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ اس ناگہانی واقعہ کے بعد موسیٰؑ کو مصر سے نکل جانا پڑا اور انھوں نے مدین کا رخ کیا جہاں وہ کئی سال گزارنے کے بعد لوٹ رہے تھے کہ وادی طویٰ میں رسالت سے سرفراز ہوئے۔ ان تمام واقعات کی تفصیل سورہ قصص میں آئی ہے۔

۱۲۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے جو تمہیں اتنی بھٹیوں میں تپایا اور اتنے امتحانوں سے گزارا ہے تو اپنے ایک کار خاص کے لیے یہ تمہاری تربیت کی ہے۔ سو تم اب اس کی ذمہ داری کو اٹھاؤ اور میرے اعتماد پر اس کی انجام دہی کے لیے آگے بڑھو۔

۱۳۔ یعنی جب اللہ ساتھ ہے' وہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے اور وہی ایک مہم پر بھیج رہا ہے تو پھر اگر ساری خدائی بھی دشمن ہو جائے تو کیا ڈر ہے۔

۱۴۔ فرعون کا یہ سوال بطور طنز و تحقیر کے تھا۔ بنی اسرائیل کے خدا کی حیثیت مصر میں ایک بے جان خدا کی تھی جس کا زندگی کے عملی معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ عملی معاملات پر خدائی فرعون ہی کی تھی۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی زبان سے ایک زندہ خدا کے ذکر نے اس کو حقارت آمیز رویہ اپنانے پر مجبور کیا۔

۱۵۔ گویا حضرت موسیٰؑ نے فرعون پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ رب ہونے کا حق دار تو وہی ہو سکتا ہے جس نے خلق کیا اور ہدایت بخشی۔ تمہارا حصہ نہ خلق میں ہے نہ ہدایت میں تو تم رب ہونے کے مدعی کس طرح بن بیٹھے۔

۱۶۔ یہ وضاحت حضرت موسیٰ کے کلام کا حصہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تضمین ہے جس میں نظام ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے جو خدا کی وحدانیت پر بھی شاہد ہے اور ایک روز جزا و سزا کی آمد پر بھی۔ اہتمام ربوبیت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس میں اس کائنات کے رب کا عدل ظہور میں آئے۔

۱۷۔ فرعون ایک گھاگ سیاسی آدمی تھا۔ اس نے ایک تو حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو ایک سیاسی خطرہ کا رنگ دے کر اپنی قوم کو مشتعل کرنے کی کوشش کی' دوسرے ان کے معجزات کو جادو سے تعبیر کر کے اس اثر کو مٹانا چاہا جو لوگوں پر ان کا پڑا ہو گا۔ وہ چاہتا تھا کہ مقابلہ پبلک کے سامنے ہو تاکہ سب کے سامنے موسیٰؑ کو شکست دے کر ان کے قدم اکھاڑ دیے جائیں۔

۱۸۔ تدبیروں سے مراد ملک کے مختلف حصوں میں ہرکارے بھیج کر ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کرنا اور ان کو مقابلہ کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس مرحلہ میں بھی فرعونیوں کو آگاہ کیا کہ باطل کی حمایت میں حق کا مقابلہ کر کے نامراد رہو گے۔ ایسی حرکت سے باز رہو۔

۱۹۔ یعنی اس وقت تمہاری نہایت اعلیٰ اور شاندار تہذیب' جو تم نے اتنی محنت سے فروغ دی ہے' سخت خطرے میں ہے۔ اگر موسیٰ اور ہارون اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے تو اس اعلیٰ تہذیب و تمدن کا یک قلم خاتمہ کر دیں گے۔

۳۰۔ سحر کا تعلق تمام تر فریب نظر اور دیکھنے والے کی قوت متخیلہ سے ہے۔ اس سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ پھر اس پیشہ سے وابستہ لوگوں کا سوسائٹی کی تعمیر و اصلاح میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس حضرات انبیاء کے معجزات کے اندر ایک سطوت و جلالت ہوتی ہے۔ ان کے اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی شہادت ان کے دشمن بھی دیتے ہیں اور ان کی دعوت کی حقانیت سے دنیا ایک نیا جنم لیتی ہے۔

۳۱۔ فرعون اپنے ہی منتخب کیے ہوئے میدان میں خود اپنی ہی لائی ہوئی فوج سے ہارا تھا لیکن شکست کی خفت مٹانے کے لیے اس نے جادوگروں کے طرز عمل کو ایک سازش قرار دیا اور ان کو سخت دھمکی دی۔ انھوں نے یہ دھمکی سن کر کچھ بھی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف سنا دیا کہ تمھیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو' اب ہم ان روشن نشانیوں پر جو ہمارے مشاہدہ میں آچکی ہیں اور اپنے اس خالق پر جس نے ہمیں وجود بخشا ہے تمھیں ترجیح دینے والے نہیں ہیں۔ ہمیں اب اس دنیا کی زندگی کی کوئی پروا نہیں۔ یہ تغیر احوال جادوگروں کے ایمان کا کرشمہ تھا۔

۳۲۔ جادوگروں کی بات کی تکمیل کے لیے یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور تضمین ہیں۔

۳۳۔ یہاں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش کا ایک طویل حصہ حذف ہے۔ اس دوران میں حضرت موسیٰؑ نے اپنا فرض رسالت اچھی طرح ادا کیا' بنی اسرائیل کی تربیت کی اور فرعونیوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام کی۔ اس کے بعد ان کو حکم ہوا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے ہجرت کر جائیں اور ساحل سمندر پر پہنچ کر سمندر کو حکم دیں تو وہ گزرنے کے لیے خشک راستہ نکال دے گا۔

۳۴۔ بنی اسرائیل کو ملک چھوڑنے کی اجازت فرعون نے دے دی تھی لیکن ان کی روانگی کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے اپنے سرداروں اور فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب اس نے سمندر میں بننے والے خشک راستے میں بھی جاری رکھا۔ جب بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر جا پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی' جو دو حصوں میں منقسم تھا' پھر مل گیا اور فرعون اپنی فوج سمیت سمندر کی بے پناہ موجوں کی لپیٹ میں آگیا۔

۳۵۔ سمندر کے پار اترنے کے بعد یہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے عظیم احسانات یاد دلا کر ان کو وہ ذمہ داری یاد دلائی جو ان احسانات کے حق کے طور پر ان پر عائد ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اس انجام سے آگاہ فرما دیا جو نعمتوں کی ناقدری کرنے والوں کے لیے مقدر ہے۔

۳۶۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا کرنے کے لیے کوہ طور کی مبارک وادی میں بلایا اور ان کی تربیت کے لیے تیس دن کی مدت مقرر کی۔ حضرت موسیٰؑ فرط شوق میں اور خدا کی رضا طلبی کے لیے عجلت کر کے وقت موعود سے پہلے پہنچ گئے۔ یہ عجلت ان کی قوم کے لیے ایک سخت فتنہ بن گئی۔ اس واقعہ کو نمایاں کر کے یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کی راہ میں صبر اور انتظار ہی کی روش مصلحت الٰہی ہے۔ نیک سے نیک ارادہ کے ساتھ کی جانے والی عجلت بعضوں کے لیے مزلہ قدم بن جاتی ہے۔

۳۷۔ سامری ایک فتنہ پرداز منافق تھا جو اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے حضرت موسیٰؑ کی جماعت میں گھسا ہوا تھا۔ یہ کشف و کرامت کا ڈھونگ رچانے کے فن سے واقف تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری میں اس نے بت پرستانہ ذہنیت رکھنے والے تمام لوگوں کو جمع کر کے ان کو بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا کر دیا اور وہ لوگ اس کی پوجا میں لگ گئے۔

۳۸۔ سفر کی آپا دھاپی میں ضائع ہونے کے خطرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے بنی اسرائیل نے اپنے قیمتی زیورات سرداروں کی امانت میں رکھ دیے تھے۔ ان کو مجبور کر کے لوگوں نے زیورات واپس لے کر سامری کے حوالے کر دیے جن کو ڈھال کر اس نے بچھڑا بنا لیا۔ حضرت موسیٰؑ کے استفسار پر سرداروں نے واضح کیا کہ یہ فتنہ ہمارا اٹھایا ہوا نہیں۔ لوگوں کے مطالبہ سے مجبور ہو کر ہم نے وہ بوجھ اتارا جو ہمارے سر پر لادا گیا تھا۔

۲۹۔ تورات کے راویوں نے بچھڑے کے سارے فتنے کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ قرآن نے جہاں فتنہ کے اصل بانی سامری کا پتہ دیا وہاں حضرت ہارونؑ کو بھی اس تہمت سے بری کیا ہے۔ فرمایا کہ انھوں نے لوگوں کو فتنہ پردازوں کی شرارت سے آگاہ کر دیا لیکن ان کی کسی نے ایک نہ سنی۔

۳۰۔ حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو محسوس کیا کہ حضرت ہارونؑ سے اس معاملہ میں کمزوری صادر ہوئی ہے تو وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے اور ان کی ڈاڑھی اور سر پکڑ کر جھنجوڑا۔ حضرت ہارونؑ نے معذرت پیش کی کہ اگر میں فتنہ کی سرکوبی کے لیے کوئی سخت قدم اٹھاتا تو بنی اسرائیل میں تفریق ہو جاتی' پھر آپ مجھے ملت کے اندر تفریق برپا کرنے کا الزام دیتے' میں نے قوم کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ کی واپسی کا انتظار کیا۔

۳۱۔ یہ تحقیق ہونے کے بعد کہ فتنہ کا بانی سامری ہے حضرت موسیٰؑ نے اس کی جواب طلبی کی۔ اس نے بات یہ بنائی کہ مجھے ایک کشف ہوا جو دوسروں کو نہیں ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت جبریلؑ آئے ہیں اور میں نے ان کے نقش قدم سے ایک مٹھی خاک اٹھائی ہے اور ایک بچھڑا بنا کر اس کے اندر ڈال دی ہے جس سے وہ بولنے لگا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کشف کے زیر اثر کیا۔

۳۲۔ سامری کی مکاری پر حضرت موسیٰؑ نے اس پر لعنت کر دی اور عمر بھر کے لیے اس کو اچھوت قرار دیا۔ ان کی شریعت میں یہ کسی شخص کو جماعت سے کاٹ دینے کی سزا تھی۔ ایسا شخص خود اپنی زبان سے چلاتا رہتا کہ لوگو' میں ناپاک ہوں۔ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

۳۳۔ یعنی آج تو کافر قیامت کو بہت دور کی چیز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی فکر میں ابھی سے اپنے عیش کو مکدر کرنا حماقت ہے لیکن جب وہ آن کھڑی ہوگی تو گزرے ہوئے وقت کا کوئی احساس نہ ہوگا۔ ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی سوئے تھے ابھی جاگ پڑے۔ سب سے معقول اندازہ والے کہیں گے کہ تم دنیا میں زیادہ سے زیادہ ایک دن رہے ہو گے۔

۳۴۔ عرب جاہلیت میں پہاڑوں کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ بہت سے نادان نبی ﷺ سے طنز اور مذاق کے انداز میں پوچھتے کہ جب قیامت آئے گی تو کیا وہ پہاڑوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ دے گی۔ یہ اس کا جواب دیا ہے۔ اس زمانے کا انسان اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ بہت جلد ساری کائنات کو مسخر کر لے گا۔ اس زعم کی موجودگی میں اس کے نزدیک بھی قیامت کا سوال بالکل خارج از بحث ہے۔

۳۵۔ عربوں کو یہ زعم تھا کہ وہ جن معبودوں کو پوجتے ہیں وہ خدا کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔ وہ اپنے پجاریوں میں سے جس کے لیے چاہیں گے سفارش کریں گے اور اس کو خدا سے چھڑا لیں گے۔ یہاں اس قسم کی شفاعت کی تردید کی ہے۔

۳۶۔ عربوں کو یہ زعم بھی تھا کہ وہ جن کو خدا کا شریک بنائے ہوئے ہیں اور ان کو اپنے سفارشی سمجھتے ہیں خدا ان کی بڑی ناز برداری کرے گا اور ان کی بات مانے گا۔ فرمایا کہ خدا کوئی ناکارہ وجود نہیں۔ وہ زندہ خدا ہے اور کائنات کے سارے نظم کو خود سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے سب کے چہرے خشیت اور عاجزی کے ساتھ جھکے ہوئے ہوں گے۔

۳۷۔ مخالفین کی تمام مخالفتوں کے مقابلہ کے لیے نبی ﷺ کے پاس واحد ہتھیار قرآن تھا۔ اسی سے مشکلات میں آپ کو رہنمائی ملتی اور الجھنوں اور پریشانیوں کا حل ملتا اس لیے قدرتی طور پر وحی کے اترنے کے لیے آپ کے اندر بے قراری اور بے چینی پائی جاتی تھی۔ یہاں اس عجلت پسندی سے روکا۔ فرمایا کہ وحی کی تکمیل کے لیے خدا نے جو مدت مقرر کر رکھی ہے وہ اس کی حکمت و مصلحت سے اچھی طرح واقف ہے۔ البتہ یہ دعا برابر کرتے رہو کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کر۔

بقیہ صفحہ [illegible]

امین احسن اصلاحی

طہارت کے احکام

(صحیح بخاری کی کتاب الوضو کی روایات)

باب 129 - اذا شرب الکلب فی ناء احدکم فلیغسله سبعا

جب کتا کسی کے برتن میں سے پی لے تو وہ برتن کو سات مرتبہ دھولے۔

171 - حدثنا عبد الله بن یوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا و قال احمد بن شبیب حدثنا ابی عن یونس عن ابن شهاب قال حدثنی حمزة بن عبد الله عن ابیه قال کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یرشون شیاء من ذالک۔

ترجمہ :- ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی لے تو چاہیئے کہ اس کو سات مرتبہ دھولے۔ حمزہ بن عبد اللہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب کرتے لیکن اس کے اوپر کوئی چیز چھڑکی نہیں جاتی تھی۔

وضاحت :- جہاں تک کتوں کا تعلق ہے تو فقہا کا طرز عمل یہ ہے کہ ان کو طوافین اور طوافات میں شمار کرتے ہیں اور یہ ہیں بھی اسی شمار میں۔ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ جس دور کا یہ قصہ ہے اس زمانے میں مسجد نبوی کی ہیئت تھی کیا؟ ایک معمولی سی دیوار پر کھجور کے پتوں کی چھت تھی۔ زمین پر کنکریاں بچھی ہوئی تھیں اور لوگ انہی پر نماز پڑھتے تھے۔ مسجد میں جانور گھس آتے۔ اس روایت کے مطابق کتے بھی آتے جاتے' پیشاب بھی کرتے لیکن اس پر پانی نہیں بہایا جاتا تھا۔ کبھی کوئی زیادہ نجس چیز ہوتی تو اس صورت میں اہتمام یہ تھا کہ پانی بہا دیا جاتا۔ مثلا ایک بدو آیا اور مسجد میں اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے شور مچایا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روکو مت' اس کو پیشاب کر لینے دو۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے ایک ڈول پانی منگوایا اور بہا دیا۔

البتہ برتن میں اگر کوئی چیز ہو اور کتے نے اس میں منہ ڈال دیا ہو تب وہ فقہا کا ایک مسئلہ بنتا ہے۔ حدیث میں برتن کو سات مرتبہ دھونے کی تاکید ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ برتن میں جو چیز ہے اسکو بھی بہا دیا جائے۔ فقہا کے نزدیک اگر چیز ایسی ہے جو بہائی جا سکتی ہے تو وہ بہا دی جائے گی

لیکن اگر وہ قیمتی چیز ہے یا بہائی نہیں جا سکتی تو اسکے متعلق فقہا کے الگ الگ احکام ہیں۔ مثلاً برتن میں جما ہوا گھی ہے تو اتنا حصہ جس کو کتے نے منہ لگایا ہو نکال دیا جائے گا اور باقی آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر برتن میں پانی ہے اور کتے نے منہ اس میں ڈال دیا ہے تو ابن شہاب کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر وضو کے لیے پانی نہیں مل رہا ہے تو اس پانی سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال برتن میں اگر ایسی چیز ہے جس کو بہایا جا سکتا ہے تو یہ کرنا چاہیے۔ کتے کتے میں بھی فرق ہوتا ہے اسکے منہ میں زہر بھی ہے اور ذوقی نجاست تو سب کے نزدیک ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ برتن کو ایک مرتبہ مٹی سے مل کر دھونا چاہیے۔ اس طرح باقی سات مرتبہ پانی سے دھویا جائے گا۔

172 - حدثنا اسحاق قال اخبرنا عبد الصمد قال حدثنا عبد الرحمٰن بن عبد الله بن دینار قال سمعت ابن ابی صالح عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم ان رجلا رای کلبایا کل الثرٰی من العطش فاخذ الرجل خفه فجعل یغرف له به حتی لرواه فشکر الله له فادخله الجنت و قال احمد بن شبیب ثنا ابی عن یونس عن ابن شهاب قال حدثنی حمزة بن عبد الله عن ابیه قال کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یکونوا یرشون شیئا من ذالک۔

ترجمہ :- حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر بھر کر اس کو پلانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا۔ اللہ نے اس کے اس کام کی قدر کی اور اس کو جنت عطا فرمائی۔ حمزہ بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے تو لوگ وہاں اس سبب سے پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

173 - حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبته عن ابن ابی السفر عن الشعبی عن عدی بن حاتم قال سالت النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا ارسلت کلبک المعلم فقتل فکل واذا اکل فلاتا کل فانما امسک علی نفسه قلت ارسل کلبی فاجد معه کلبا اخر قال فلاتا کل فانما سمیت علی کلبک ولم تسم علی کلب اخر۔

ترجمہ :- عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے (کتے کے شکار کے بارے میں) پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا جب تو اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑے' پھر وہ شکار مارے تو کھا لیا کر۔ اور جب وہ اس جانور میں سے خود کھا لے تو اس کو نہ کھا کیونکہ اس نے اپنے لیے وہ جانور پکڑا۔ میں نے عرض کیا کبھی میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں پھر وہاں اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پاتا ہوں تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس شکار کو مت کھا کیونکہ تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ کہی نہ کہ دوسرے کتے پر۔

وضاحت :- شکاری کتوں کے بارے میں قرآن مجید میں سورہ مائدہ میں وضاحت ہے۔ جس کتے یا جانور کو شکار کی ٹریننگ دی جاتی ہے تو یہ چیز اس کو دوسرے کتوں یا جانوروں سے الگ کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے ایک عام کتے کے شکار اور ایک سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں فرق ایک فطری امر ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے اور ایک عیسائی کے تربیت کردہ کتے کے میلان اور سلیقہ میں بھی فرق ہو جائیگا۔ اپنے اس سلیقہ کی وجہ سے ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے کا شکار اس کے لیے اسی طرح طیب بن جاتا ہے جس طرح اس کے اپنے ہاتھ کا ذبیحہ۔ سورہ مائدہ کی آیت 4 میں **فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ** جو آیا ہے یعنی تو تم کھاؤ ان کے اس شکار میں سے جو وہ تمہارے لیے روک رکھیں اور ان پر اللہ کا نام لے لیا کرو تو یہ روایت اس کی ٹھیک ٹھیک تاویل کرتی ہے۔

ان مذکورہ شرائط کے مطابق تربیت یافتہ کتے کا شکار جائز ہو گا۔ چونکہ آیت میں اختصاص کا مضمون پایا جاتا ہے اس لیے ان لوگوں کا مذہب زیادہ قوی ہے جو کہتے ہیں کہ شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ شکار جائز نہ ہو گا۔ روایت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ **واذکرو اسم اللہ علیہ** میں ضمیر مجرور کے مرجع سے متعلق سلف سے ایک قول یہ ہے کہ شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو اور یہاں اس روایت میں یہی بات فرمائی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا نام تم نے اپنے کتے پر لیا تھا' دوسرے کتے پر نہیں' اس لیے ایسا شکار نہ کھاؤ جس میں یہ واضح نہ ہو کہ شکار کس کتے نے کیا ہے۔

باب 130 - من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر وقول اللہ تعالیٰ او جاء احد منکم من الغائط' وقال عطاء فیمن یخرج من دبرہ الدود او من ذکرہ نحو القملۃ یعید الوضوء وقال جابر بن عبد اللہ اذا ضحک فی الصلاۃ اعاد الصلاۃ ولم یعد الوضوء وقال الحسن ان اخذ من شعرہ واظفارہ او خلع خفیہ فلا وضوء علیہ' وقال ابو ہریرۃ لا وضوء الا من حدث و یذکر عن جابرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ ذات الرقاع فرمی رجل بسہم فنزفہ الدم فرکع و سجد و مضٰی فی صلاتہ' وقال الحسن ما زال المسلمون یصلون فی جراحاتہم' وقال طاوس و محمد بن علی و عطاء واہل الحجاز لیس فی الدم وضوء و عصر ابن عمرؓ بثرۃ فخرج منہا الدم ولم یتوضاء و بزق ابن ابی اوفی دما فمضٰی فی صلاتہ' وقال ابن عمرؓ والحسن فیمن یحتجم لیس علیہ الا غسل محاجمہ۔

ترجمہ :- باب اس بارے میں کہ وضوء اسی حدث سے لازم آتا ہے جو دونوں راہوں یعنی قبل یا دبر سے نکلے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے آیا ہو۔ اور عطاء نے کہا جس کے دبر سے کیڑا یا ذکر میں سے کوئی چیز جوں کی طرح کی نکلے تو وہ پھر وضوء کرے۔ اور جابر بن عبد اللہ نے کہا اگر کوئی نماز میں ہنس دے تو وہ نماز دوبارہ پڑھے لیکن وضوء دوبارہ نہ کرے۔ اور حسن نے کہا جس نے اپنے (سر کے) بال منڈوائے یا ناخن کترائے یا اپنے موزے اتار ڈالے تو اس پر (دوبارہ) وضوء لازم نہیں۔ اور ابو ہریرہؓ نے کہا وضو لازم نہیں ہوتا مگر حدث سے۔ اور جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات الرقاع کی لڑائی میں تھے کہ ایک شخص کو تیر لگا اس میں سے بہت خون بہا لیکن اس نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتا رہا۔ اور حسن نے کہا مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں کے باوجود نماز پڑھتے رہے۔ طاؤس' محمد بن علی' عطاء اور حجاز کے اہل علم کا کہنا ہے کہ خون نکلنے سے وضوء نہیں جاتا۔ اور عبد اللہ ابن عمرؓ نے پھنسی کو دبایا۔ اس میں سے خون نکلا لیکن آپ نے وضوء نہیں کیا۔ اور ابن ابی اوفی نے خون تھوکا لیکن نماز پڑھتے رہے اور ابن عمرؓ اور حسن نے کہا جو کوئی پچھنے لگائے تو صرف پچھنے کی جگہ دھو ڈالے۔

وضاحت :- اس باب میں نواقض وضو کے فقہی مسائل جمع کر دیے گئے ہیں۔ نبی ﷺ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

باب 174 - حدثنا ادم بن ابی ایاس قال ثنا ابن ابی ذئب قال ثنا سعید المقبری عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال العبد فی صلاۃ ما کان فی المسجد ینتظر الصلوۃ مالم یحدث فقال رجل اعجمی ما الحدث یا ابا ہریرۃ قال الصوت یعنی الضرطۃ۔

ترجمہ :- ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں ہوتا ہے نماز ہی میں ہوتا ہے جب تک کہ وہ حدث کا مرتکب نہ ہو۔ ایک عجمی نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ حدث کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ آواز کے ساتھ ریح کا اخراج۔

وضاحت :- جس طرح سپاہی محاذ پر موجود اور ڈیوٹی کے لیے پوری طرح سے بیدار رہے تو وہ جہاد میں ہے بالکل اسی طرح سے آدمی مسجد میں نماز کے انتظار میں جب تک مسجد میں رہے گا نماز ہی میں سمجھا جائے گا۔ یہ بڑا درجہ ہے۔ اس اصول کی روشنی میں یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ نماز کے لیے تیاری بھی اسی حکم میں ہونی چاہیے۔
اس کے ساتھ ایک شرط یہ لگا دی ہے کہ جب تک نمازی کسی حدث کا مرتکب نہ ہو وہ نماز

میں سمجھا جائے گا۔ ایک عجمی بدو کے سوال پر حضرت ابوہریرہؓ سے حدث کی جو تشریح نقل ہوئی ہے وہ ناتمام ہے اور پوری طرح حدث کی وضاحت نہیں کرتی۔ روایت سے تو یہ نکلتا ہے کہ حدث کی کوئی بھی نوعیت ہو وہ مراد ہونی چاہیے اور یہ دونوں شکلوں میں ہو سکتی ہے' آواز کے ساتھ بھی اور بغیر آواز کے بھی' لیکن روایت میں صرف آواز کے ساتھ اخراج ریح مراد لیا گیا ہے۔

175 - حدثنا ابو الولید قال حدثنا ابن عیینة عن الزهری عن عباد بن تمیم عن عمه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔

ترجمہ :- عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہ چھوڑے جب تک (حدث کی) آواز سنے یا بدبو نہ پائے۔

176 - حدثنا قتیبه بن سعید قال حدثنا جریر عن الاعمش عن منذر ابی یعلی الثوری عن محمد بن الحنفیة قال قال علی کنت رجلا مذاء فاستحییت ان اسال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فامرت المقداد بن الاسود فساله فقال فیه الوضوء ورواه شعبة عن الاعمش۔

ترجمہ :- حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں وہ شخص تھا جس کی مذی بہت نکلتی تھی میں آنحضرت ﷺ سے اس کا مسئلہ پوچھنے سے شرماتا تھا۔ میں نے مقداد بن اسود سے کہا تم پوچھو' انہوں نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اس میں وضوء ہے۔ اس حدیث کو شعبہ نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے۔

177 - حدثنا سعید بن حفص قال حدثنا شیبان عن یحیی عن ابی سلمة ان عطاء بن یسار اخبره ان زید بن خالد اخبره انه سال عثمان بن عفانؓ قلت ارایت اذا جامع فلم یمن قال عثمانؓ یتوضاء کما یتوضاء للصلوٰة و یغسل ذکره قال عثمانؓ سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسالت عن ذالک علیا والزبیر وطلحة وابی بن کعب رضی اللہ عنهم فامره بذالک۔

ترجمہ :- زید ابن خالد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے لیکن انزال نہ ہو _(تو اس پر غسل ہے یا نہیں) انہوں نے کہا کہ وہ نماز کے وضوء کی طرح وضو کرے لے اور اپنا ذکر دھو ڈالے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں نے یہ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ پھر میں نے یہ مسئلہ حضرت علیؓ زبیرؓ طلحہؓ اور ابن بن کعبؓ سے پوچھا انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔

178 - حدثنا اسحٰق بن منصور قال اخبرنا النضر قال اخبرنا شعبته عن الحکم عن ذکوان عن ابی صالح عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ارسل رجلا من الانصار فجاء وراسه یقطر فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم لعلنا اعجلناک

فقال نعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا اعجلت او قحطت فعلیک الوضوء تابعه وهب قال حدثنا شعبته قال ابو عبد اللہ ولم یقل غندر ویحیی عن شعبة الوضوء۔

ترجمہ :- ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری کو بلا بھیجا۔ وہ اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے تجھ کو جلدی میں ڈالدیا۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ تب آپؐ نے فرمایا جب تو جلدی میں پڑ جائے یا تیری منی رک جائے (انزال نہ ہو) تو وضو کر لے۔ (یعنی غسل ضروری نہیں)۔ اس حدیث کو وہب نے بھی شعبہ سے روایت کیا۔

وضاحت :- ان تمام روایات میں نواقض وضو بیان ہوئے ہیں۔ مفہوم بالکل واضح ہے۔

باب 131 - الرجل یوضئی صاحبه
باب اس شخص کے بارے میں جو اپنے ساتھی کو وضو کرائے

179 - حدثنا ابن سلام قال انا یزید بن هارون عن یحیی عن موسی ابن عقبة عن کریب مولی ابن عباس عن اسامة بن زید ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما افاض من عرفة عدل الی الشعب فقضٰی حاجته قال اسامه فجعلت اصب علیه ویتوضاء فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اتصلی قال المصلٰی امامک۔

ترجمہ :- اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عرفات سے لوٹے تو گھاٹی کی طرف مڑ گئے۔ وہاں حاجت سے فارغ ہوئے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں آپؐ پر پانی ڈالتا جاتا تھا آپؐ وضو کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا آپ نماز پڑھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا نماز آگے پڑھیں گے۔

180 - حدثنا عمر و بن علی قال ثنا عبد الوهاب قال سمعت یحیی بن سعید یقول اخبرنی سعد بن ابراهیم ان نافع ابن جبیر ابن مطعم اخبره انه سمع عروة ابن المغیره بن شعبة یحدث عن المغیره بن شعبته انه کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر وانه ذهب لحاجة له وان المغیره جعل یصب الماء علیه وهو یتوضاء فغسل وجهه ویدیه و مسح براسه و مسح علی الخفین

ترجمہ :- مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ آپؐ ضرورت کے لیے گئے (جب آپؐ فارغ ہو کر آئے تو) مغیرہؓ آپ کے اوپر پانی بہاتے تھے اور آپؐ وضو فرماتے تھے۔ آپؐ نے منہ دھویا' ہاتھ دھوئے' سر کا مسح کیا اور خفین کے اوپر مسح کیا۔

وضاحت :- حدیث ملم فہم ہے۔ خف چمڑے کے موزوں کو کہتے ہیں جو بالعموم سفر کے دوران پہنے جاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ اگر موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان کو اتار کر پاؤں دھونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ ان پر مسح کر لینے سے وضو مکمل ہو جاتا ہے' بشرطیکہ موزوں کے اندر پاؤں بحالت وضو داخل کئے گئے ہوں۔

181 - حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک عن مخرمه بن سلیمان عن کریب مولی ابن عباس ان عبد اللہ بن عباس اخبره انه بات لیلة عند میمونة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم وهی خالته فاضطجعت فی عرض الوساده واضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واهله فی طولها فنام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حتی اذا انتصف الیل او قبله بقلیل او بعده بقلیل استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فجلس یمسح النوم عن وجهه بیده ثم قرا العشر الایات الخواتیم من سورة آل عمران ثم قام الی شن معلقة فتوضا منها فاحسن وضوءه ثم قام یصلی قال ابن عباس فقمت فصنعت مثل ما صنع ثم ذهبت فقمت الی جنبه فوضع یده الیمنی علی راسی واخذ باذنی الیمنی یفتلها فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی اتاه المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم خرج فصلی الصبح۔

ترجمہ :- عبد اللہ ابن عباسؓ نے خبر دی کہ ایک رات وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوئے۔ وہ ان کی خالہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ میں بستر کے عرض میں لیٹا اور رسول اللہؐ اور حضرت میمونہؓ اس کے طول میں۔ رسولؐ اللہ سو گئے۔ جب نصف رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد' تو رسول اللہ بیدار ہوئے۔ آپ کچھ دیر تک نیند کو اپنے چہرے سے پونچھتے رہے۔ پھر آپؐ نے سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔ پھر آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بھی اٹھا اور وہی کچھ کیا جو آپؐ نے کیا تھا۔ پھر میں چلا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے داہنے کان کو پکڑ کر اس کو بٹنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پڑھیں اور اس کو طاق کیا۔ پھر آپؐ لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن آپ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ کھڑے ہوئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں' پھر باہر نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

وضاحت :- یہ روایت اس اعتبار سے قابل غور ہے کہ انہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت گذر چکی ہے (دیکھئے کتاب العلم' باب السمر بالعلم) جس میں انہوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ حضرت

میمونہؓ کے ہاں جانے اور سو کر اٹھنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس وقت تہجد کی پانچ رکعتیں پڑھی تھیں۔ یہاں کل تیرہ رکعتیں بنی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ وہی واقعہ ہے یا کوئی دوسرا؟ میرے نزدیک یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ یہ دوسرا موقع ہے کیونکہ آنحضرتؐ کی نماز دیکھنے کا حضرت ابن عباسؓ بہت شوق رکھتے تھے اور حضرت میمونہؓ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ پچھلی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت لیٹ گئے تو خراٹے لینے لگے۔ یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ الگ الگ مواقع کی روایتیں ہیں۔

تہجد کی رکعتیں متعین نہیں ہیں۔ وقت اور حالات' طبیعت کے نشاط اور ضرورت کے تقاضے ان سب چیزوں کا اس میں لحاظ ہے۔ بعض اوقات آدمی کو کم وقت ملتا ہے اور بعض اوقات زیادہ' کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تو چار رکعت ہی کافی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے تہجد کی رکعات سے متعلق جتنی روایات ہیں' اگر ان میں کوئی سقم نہیں ہے تو وہ سب ٹھیک ہیں۔ "وتر" یعنی آخری دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو طاق کیا۔ تنہا ایک رکعت کے لیے یہ لفظ نہیں آتا۔ پہلے کچھ پڑھا جائے گا تو اس کی تعداد کو طاق کیا جائے گا۔ ہلکی نماز سے فجر کی دو سنت مراد ہیں۔

ترتیب: سید اسحاق علی

(جاری ہے)

امین احسن اصلاحی

مدینہ منورہ کے فضائل و خصوصیات

(موطا امام مالک کی کتاب الجامع کی روایات)

حدثنی مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایخرج احد من المدینۃ رغبۃ عنھا الا ابدلھا اللہ خیرا منہ۔

ترجمہ:۔ ھشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینے سے بے زار ہو کر اسے کوئی نہیں چھوڑے گا مگر یہ کہ اللہ اس شہر کو اس سے بہتر باسی دے دے گا۔

وضاحت:۔ مدینہ ایسی بابرکت جگہ ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی اہم سبب کے اس کو چھوڑے تو یہ اس کی نالائقی ہے۔ ایسی بابرکت جگہ کے لیے تو لوگ ٹوٹ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ کا دارالہجرت بننے کے بعد مدینہ ایک ایسا مرکز تھا کہ جو تمام مسلمانوں کا ملجا و ماوا تھا۔ وہاں ایک ایک شخص کی موجودگی بے حد اہم تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کسی کے یہاں سے چلے جانے سے مدینہ کا کوئی نقصان نہ ہو گا۔ مدینہ کو اس سے بہتر لوگ مل جائیں گے۔ یہ سنت الٰہی ہے کہ بہتر آدمی کا ساتھ جو لوگ چھوڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو ان کا نعم البدل بھی عطا فرما دیتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضورؐ نے توجہ دلائی۔

حدثنی مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عبد اللہ بن الزبیر عن سفیان بن ابی زھیر انہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یفتح الیمن فیاتی قوم یبسون فیتحملون باھلیھم ومن اطاعھم والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون ویفتح الشام فیاتی قوم یبسون فیتحملون باھلیھم ومن اطاعھم والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون، ویفتح العراق فیاتی قوم یبسون فیتحملون باھلیھم ومن اطاعھم والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون۔

ترجمہ:۔ ابو زہیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ یمن فتح ہو گا اور کچھ لوگ آئیں گے اپنے اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے اور لاد کر لے جائیں گے ان پر اپنے اہل و عیال کو اور ان کو جو ان کا ساتھ دیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر جگہ ہے اگر وہ جانتے۔ شام فتح ہو گا اور لوگ اپنی سواریوں کو لیے ہوئے آئیں گے اور اپنے اہل و عیال کو اور ان کو جو ان کے ماننے والے ہوں گے۔ ان پر لاد کر چل دیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہو گا اگر وہ اس کی قدر و قیمت جانیں۔ عراق فتح ہو گا اور لوگ اپنی سواریوں پر اپنے اہل و عیال کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ماننے والے ہوں گے لاد کر چل دیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔

وضاحت:۔ یہ مدینہ منورہ کی فضیلت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت بنا اور مسلمانوں کو اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم ہوا چنانچہ ہر طرف سے مسلمان کھنچے ہوئے اس کی طرف آئے اور اس شہر نے سب کو جمع کر لیا۔ لیکن جب فتوحات کا دور آیا تو فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں پر مدینہ کی طرف ہجرت کی پابندی ختم ہو گئی۔ لہٰذا اب ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ اگر وہ چاہیں تو یمن، شام اور عراق کے بہت زرخیز اور سرسبز علاقوں میں جا بسیں۔ اسی بارے میں آنحضرتؐ نے پیشگوئی فرمائی کہ یمن فتح ہو گا تو فاتحین میں سے کچھ لوگ وہاں کی آب و ہوا اور زرخیزی کو دیکھ کر کہیں گے کہ وہاں چلو۔ اپنے اونٹ لائیں گے اور ان لوگوں کو جو ان کی بات مانیں گے ساتھ لے کر چل دیں گے حالانکہ بہتر یہ ہے کہ وہ مدینہ ہی میں رہیں کیونکہ مدینہ اپنی خیروبرکت کی وجہ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ دنیوی وسائل و ذرائع کی فکر میں اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ شام اور عراق فتح ہوں گے تو کچھ لوگ اسی طرح اپنی سواریوں پر اپنے اہل و عیال اور اپنے ہم خیال لوگوں کو لاد کر وہاں چلے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہو گا۔ یہ گویا حضورؐ نے پیشگوئی فرمائی کہ مدینہ کو ایک دفعہ تو اتنی رونق ملے گی کہ تمام شہروں کو جمع کر لے گا اور مرکز کی حیثیت اختیار کر لے گا فتوحات کے بعد اس کا زوال شروع ہو گا کیونکہ اس کی آبادی تقسیم ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود یہی شہر بہترین شہر ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین کا اور صحابہ کرام کا مرکز اور تمام خیر و برکت کا منبع ہو گا۔ آنحضرتؐ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور عراق، شام اور مصر فتح ہوا تو دارالحکومت تک پہلے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ دارالحکومت بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتا ہے۔ اس لیے مدینہ منورہ سے آبادی کا انخلا کافی تعداد میں ہوا۔

حدثنی یحیٰی عن مالک عن ابن حماس عن عمہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لتترکن المدینۃ علی احسن ما کانت حتی یدخل الکلب او الذئب فیغذی علی بعض سواری المسجد او علی المنبر، فقالوا یا رسول اللہ فلمن تکون الثمار ذالک الزمان؟ قال للعوافی الطیر والسباع۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کو چھوڑا جائے گا جبکہ اس کے شباب کا دور ہو گا۔ پھر یہ حالت ہو جائے گی کہ کتے یا بھیڑیے اس میں داخل ہو کر مسجد کے بعض ستونوں پر یا منبر پر پیشاب کریں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اس زمانے میں مدینے کے پھل کون کھائے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ آوارہ پرندے اور درندے۔

وضاحت:۔ اس روایت کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ پیشگوئی ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہو گی یا یہ ایک واقعہ ہے جو قریب ہی میں گذر چکا۔ اوپر والی روایت میں تو یہ ہے کہ جب فتوحات کا دور ہو گا اس وقت مدینہ کی جمعیت میں انتشار پیدا ہو گا اور لوگ وہاں سے چلے جائیں گے۔ فی الواقع سب سے

زیادہ انتشار اس وقت ہوا جب دارالحکومت کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا۔ تمام کشش وہاں پیدا ہو گئی۔ جتنے لوگ جا سکتے تھے وہاں چلے گئے۔ بہت سے لوگوں کو تو حاکموں نے بلا لیا۔ لہٰذا مرکزیت رکھنے والے تمام لوگ وہاں سے چلے گئے۔ مدینہ میں صرف امام مالک کی قد آور شخصیت رہ گئی۔ ان کے اندر مدینہ کی خاصی عصبیت موجود ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ روایت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ مستقبل قریب میں پیش آنے والی صورت حال کا تذکرہ اس روایت میں ہے۔ واقعات و حالات سے متعلق جو پیشگوئیاں ہوتی ہیں وہ مجاز کے رنگ میں بیان ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مدینہ اس طرح اجڑ جائے گا کہ مسجد نبوی کی اہمیت رہے گی نہ کسی اور چیز کی۔ کتے یہاں گھومتے پھریں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھلوں کا کیا ہو گا تو آپؐ نے فرمایا کہ آوارہ درندے اور پرندے ان کو کھائیں گے کیونکہ لوگ تو چلے جائیں گے۔ بڑے شہروں پر اس طرح کے دور گزرتے رہے ہیں۔ اسی طرح کا دور دہلی پر بھی گزرا ہے، قرطبہ پر اور غرناطہ پر بھی گذرا ہے۔ آدمیوں سے ساری رونق ہوتی ہے۔ اگر آدمی نہ ہوں تو مثل مشہور ہے۔ خانہ خالی را دیوی گیرد۔ گھر میں آدمی نہ ہوں تو شیطان اور بھوت پریت اپنے ڈیرے جما لیتے ہیں۔ مدینہ پر یہ دور اس وقت آیا جب مدینہ دارالحکومت نہ رہا۔

حدثنی مالک انه بلغه ان عمر بن عبد العزیز حین خرج من المدینة التفت الیها فبکی ثم قال یا مزاحم اتخشی ان نکون ممن نفت المدینة۔

ترجمہ:۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب مدینہ سے نکلے تو انہوں نے خاص طور پر شہر پر نظر ڈالی اور رونے لگے پھر انہوں نے (اپنے آزاد کردہ غلام) مزاحم سے پوچھا کہ کیا تم اندیشہ رکھتے ہو کہ ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو مدینہ نے جلاوطن کر دیا ہے؟

وضاحت:۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے مدینہ سے نکلنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم یہاں سے جائیں اور ہمارا جانا اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اور دوسرا یہ کہ ہم کو مدینہ نے نکال دیا ہو۔ یعنی آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق کہ مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے ہم کھوٹ کی طرح نکالے جا رہے ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے اپنے دل میں جو اندیشہ تھا وہ انہوں نے اپنے ساتھی پر ظاہر کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا تمہارے اندر بھی یہ اندیشہ ہے۔ تمہارے دل کا کیا حال ہے۔ اس پر وہ خاموش رہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو مدینہ سے کس درجہ کی انسیت تھی۔ ان کے دل میں رسول اللہؐ کے دارالہجرت کی کتنی قدر تھی۔ اس سے ان کا لگاؤ تھا جس کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم مدینہ سے محروم کئے جا رہے ہوں۔

ماجاء فی تحریم المدینة

مدینے کی حرمت کے بارے میں

حدثنی یحیی عن مالک عن عمرو مولی المطلب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلع له احد فقال هذا جبل یحبنا ونحبه اللهم ان ابراهیم حرم مکة وانا احرم ما بین لابتیها۔

ترجمہ:۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب احد کا پہاڑ نظر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ ابراہیمؑ نے مکہ کو محترم قرار دیا اور میں اس شہر کی دو پہاڑیوں کے درمیان کے علاقے کو حرم بناتا ہوں۔

وضاحت:۔ "**لابة**" پہاڑ کی گھاٹی کو بھی کہتے ہیں اور سنگریلی زمین کو بھی۔ پہاڑیوں پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنے وطن کے پہاڑ، ٹیلے، وادیاں، مرغزار، چراگاہیں اور نشیب و فراز محبوب ہوتے ہیں۔ طویل قیام کی وجہ سے وطن کی ان چیزوں سے ہر شخص کے دل میں ایک درجہ انسیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایک فطری اور جذباتی بات ہوتی ہے۔ کوہ احد کے متعلق نبی ﷺ نے اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، یہ مجازاً" کہا گیا ہے۔ یہ بات آپؐ نے خیبر سے واپسی پر فرمائی جیسا کہ اسامہ بن زید کی روایت میں آیا ہے۔ اس کے مطابق جب آپ نے احد کو دیکھا تو فرمایا کہ مدینہ سے نکل کر ایک شخص جب سفر کرتا اور اس کے بعد گھر کو لوٹتا ہے تو اس کو مدینہ کے قریب سنتری کی طرح کھڑے کوہ احد کے سوا کون ہو گا جو بشارت دے گا کہ آئیے آپ کا گھر آ گیا۔ اگرچہ یہ جذبہ شاعرانہ ہے لیکن انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ علامہ اقبال نے کوہ ہمالیہ کے بارے میں کہا تھا ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسباں ہمارا۔ اس شعر میں بھی ایسا ہی جذبہ کارفرما تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ مکہ کو حضرت ابراہیمؑ نے محترم قرار دیا تو میں ان دو پہاڑیوں یا سنگلاخ سنگریلی زمین کے درمیان کے علاقہ کو محترم قرار دیتا ہوں، اس معنی میں نہیں ہو سکتا کہ اس حرم اور حرم مکہ کی ایک حیثیت ہو جائے گی، اس لیے کہ مکہ کے حرم کی نوعیت دوسری ہے۔ اس کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو محترم قرار دے دیا اور اس کی حرمت کے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ نبی ﷺ نے وہاں کے درخت کاٹنے اور شکار کرنے سے منع فرمایا۔ مکہ کا اپنا مقام ہے۔ وہ تمام دنیا جہان والوں کا مرکز ہے۔ وہاں اللہ کا گھر اور مسجد حرام ہے جو تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ مدینہ کا اپنا مقام ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی جائے ہجرت اور آپ کا مدفن ہے۔ یہاں آنحضرتؐ کی مسجد ہے، یہ صحابہ کا مرکز ہے، یہ اس کی برکتیں ہیں۔ لیکن ایسی کوئی روایت موجود نہیں کہ آنحضرتؐ نے یہاں کے درخت کاٹنے یا شکار سے منع فرمایا ہو۔ حنفیہ ان احکام کو جو حرم مکہ کے لیے ہیں مدینہ پر نافذ نہیں کرتے، اس لیے کہ حرم مکہ کی تمام چیزیں آنحضرتؐ کے اپنے ذریعے سے منصوص ہیں جب کہ حرم مدینہ کی یہ حیثیت نہیں۔ اس لیے

جو لوگ حرم مدینہ کو حرم مکہ پر ترجیح دیتے ہیں ان کی رائے غلو پر مبنی ہے۔

حدثنی مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة انه کان یقول: لورایت الظباء بالمدینة ترتع ماذعرتہا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مابین لابتیہا حرام۔

ترجمہ:۔ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں ہرنوں کو مدینہ میں چرتا پاؤں گا تو ان کو وحشت زدہ نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ محترم ہے۔

وضاحت:۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا جذبہ ہے اور اس میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے۔ اس کے حق میں وہ یہ دلیل دیتے تھے کہ مدینہ کو محترم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں کہ یہاں کے جانور کو کوئی نہ مارے یا درخت کو کوئی نہ کاٹے۔ جبکہ آپ نے حرم مکہ کے متعلق خود فرمایا کہ یہاں کی کسی چیز کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی جانوروں کا شکار کیا جائے۔

حدثنی مالک عن یونس بن یوسف عن عطاء ابن یسار عن ابی ایوب الانصاری انه وجد غلما ناقد الحوا ثعلبا الی زاوية فطردهم عنه۔

ترجمہ:۔ ابو ایوب انصاری فرماتے تھے کہ میں نے بچوں کو دیکھا کہ وہ ایک لومڑی کو ایک گوشے میں گھیر کر اس کے درپے ہو گئے ہیں تو میں نے بچوں کو اس لومڑی سے ہٹا دیا۔

وضاحت:۔ یہ بھی ابو ایوب انصاریؓ کا ایک مستحسن جذبہ ہے' آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں۔

حدثنی یحیی عن مالک عن رجل قال دخل علی زید بن ثابت وانا بالا سواف قد اصطدت نہسا فاخذہ من یدی فارسلہ۔

ترجمہ:۔ امام مالک ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت میرے ہاں آئے جب میں اسواف میں تھا۔ میں نے نہس نام کا پرندہ شکار کر رکھا تھا۔ انہوں نے اس پرندے کو میرے ہاتھ سے لیا اور آزاد کر دیا۔

وضاحت:۔ یہ بھی زید بن ثابتؓ کا عمل ہے۔ آنحضرتؐ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں۔

ماجاء فی وباء المدینة

مدینے کی وبا کے بارے میں

حدثنی عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة ام المؤمنین انہا قالت: لما

قدم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم المدینة وعک ابوبکر و بلال قال فدخلت علیہما فقلت یا ابت کیف تجدک' ویا بلال کیف تجدک' قالت فکان ابوبکر اذا اخذته الحمی یقول:

کل امری مصبح فی اهله   والموت ادنی من شراک نعله

وکان بلال اذا اقلع عنه یرفع عقیر فیقول:

الالیت شعری هل ابیتن لیلة۔ بوادو حولی اذخرو جلیل

وهل اردن یوما میاہ مجنة۔ وهل یبدون لی شامة و طفیل

قالت عائشة فجئت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخبرته فقال: اللهم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد وصححہا' وبارک لنا فی مدها و صاعها' وانقل حما هافا جعلها بالجحفة

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں دونوں کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا ابا جان آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ بلال سے بھی یہی سوال کیا۔ ابوبکر کا حال یہ تھا کہ جب بخار چڑھتا تو وہ یہ شعر پڑھتے:

"آدمی کو صبح بخیر کی خبر دی جاتی ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہے"

اور بلال کا یہ حال تھا کہ جب بخار ذرا ٹوٹتا تو بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے:

"کاش میں جان پاتا کہ وہ رات کبھی آئے گی جو میں اس وادی میں بسر کروں گا جس کے ارد گرد اذخر اور جلیل کی خوشبوئیں اڑ رہی ہوں گی اور کبھی وہ دن بھی ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمے پر اتروں گا اور شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں مجھے نظر آئیں گی"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جا کر نبی ﷺ کو ان کا حال بتایا تو آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ ہم سب کے لیے مدینہ کو محبوب کر دے جیسا کہ مکہ کو محبوب کیا ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور اس کو صحت بخش مقام بنا دے اور اس کے مد اور صاع میں برکت ڈال دے۔ اے اللہ اس کا بخار یہاں سے اٹھا کر جحفہ میں پھینک دے۔

وضاحت:۔ اذخر اور جلیل دو قسم کے گھاس تھے جو نہایت خوشبودار تھے اور صرف وادی مکہ میں پیدا ہوتے تھے۔ ہر شخص اپنے مقام کے لحاظ سے بات کرتا اور اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ بیماری میں حضرت ابوبکرؓ کے جذبات یہ تھے کہ لوگ تو آکر مزاج پوچھتے اور **صبحک اللہ بالخیر** کی دعا دیتے اور وہ اپنی حالت یوں محسوس کرتے کہ جیسے موت ان کے جوتے کے تسمے کے ساتھ لگی کھڑی ہے۔ اس کے برعکس حضرت بلال کو وادی مکہ کی یاد ستاتی اور وہ وہاں کی راتوں اور دنوں کو اور وہاں کی وادیوں' پہاڑیوں اور گھاس کو یاد کرتے۔ آدمی بخار میں کمزور ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر جذبات کا غلبہ

ہو جاتا ہے۔ اس کے اس وقت کے جذبات عام جذبات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے محسوس فرمالیا کہ میرے ساتھی مکہ کو نہیں بھولتے اس لیے آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے لیے مدینہ کو بھی اتنا ہی یا اس سے زیادہ محبوب بنا دے جتنا کہ مکہ محبوب ہے۔ ساتھ ہی اس کی پیداوار میں برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہ اس شہر کو صحت افزا مقام بنا دے اور اس کے بخار کو جحفہ کی وادی میں پھینک دے۔ جحفہ یہود کی ایک بستی تھی۔

اس روایت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کمسنی کی بھی نفی ہوتی ہے۔ یہ انداز روایت کسی بچی کا نہیں ہو سکتا۔

حدثنی عن مالک عن نعیم بن عبد اللہ المجمر عن ابی ھریرۃ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی انقاب المدینۃ ملائکۃ لا یدخلھا الطاعون ولا الدجال۔

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کی گلیوں کے ٹکڑوں پر فرشتے مقرر ہیں۔ اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔

وضاحت :۔ یہ روایت جس طرح موطا میں آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر ہے اور آنحضرت ﷺ کی خبر آفاقی شہادت ہوتی ہے۔ ایسی خبر جب واقعات سے سچی ثابت ہو جائے تو وہ حضورؐ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہو گی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انشاء اللہ بھی فرمایا۔ میں بخاری کی روایت نہیں دیکھ سکا کہ آیا اس میں انشاء اللہ ہے۔ اگر ہے تو یہ ایک خوش آئند بشارت ہو گی۔ اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ انشاء اللہ تو ایک مشروط بات ہوتی ہے یعنی اگر طاعون آ جائے تو آ جائے۔

ماجاء فی اجلاء الیھود من المدینۃ
یہود کے مدینہ سے جلاوطن کرنے کی روایات

حدثنی عن مالک عن اسمٰعیل بن ابی حکیم انہ سمع عمر بن عبد العزیز یقول: کان من آخر ماتکلم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قال: قاتل اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد لا یبقین دینان بارض العرب۔

ترجمہ :۔ اسمٰعیل بن ابی حکیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری ارشادات فرمائے ان میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو معبد بنا لیا۔ عرب کی سرزمین میں دو دین باقی نہیں رہیں

گے۔

وضاحت :۔ حدیث کے یہ دونوں ٹکڑے معنوی طور پر کچھ بے ربط سے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیچ میں اور کچھ باتیں حذف کر دی گئی ہیں۔ موقع کی بات جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمائی تو اس میں صرف دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلی یہ کہ آپؐ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو معبد بنا لیا۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ نصاریٰ میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تو اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بسا اوقات عام لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور علی سبیل التغلیب اس میں اوروں کو شامل کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی نبیوں کا لفظ اولیاء و صلحاء پر بھی حاوی کر دیں تو معناً یہ بات صحیح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نصاریٰ نے حضرت مریمؑ اور اپنے نیک لوگوں کے بت بھی بنائے اور وہ ان کی پوجا بھی کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہیں گے۔ یہ بات ہے تو خبریہ جملہ لیکن مسلمانوں کو نصیحت و وصیت کے طور پر ہے۔ اس حکم کی تعمیل حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں کی اور یہود کو ملک سے نکال باہر کیا۔ یہ بات کہ عرب میں دو دین نہیں رہیں گے اور یہ کہ کوئی غیر مسلم نہیں رہے گا دو مختلف باتیں ہیں اور ان میں فرق ہے۔ غیر مسلم تو ملک میں آ جا سکتے ہیں لیکن دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ اسلام سے پہلے یہودیت اور نصرانیت دونوں دین عرب میں خاصے باوقار اور بااختیار تھے۔ ان کے اثر کے اپنے اپنے دائرے تھے۔ مذکور حکم میں ان کی اس حیثیت کی نفی ہے۔ فرمایا ہے کہ ان کی یہ حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ جماعتی حیثیت سے ان دونوں گروہوں کا وہاں سے خاتمہ کر دیا جائے گا۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ یہود کی جلاوطنی اور عرب میں مختلف ادیان کو جمع کرنے کی ممانعت دونوں حضورؐ کی حیات مبارکہ کے آخری دور کی ہدایات ہیں۔

حدثنی عن مالک عن ابن شھاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔ قال مالک قال ابن شھاب ففحص عن ذلک عمر بن الخطاب حتی اتاہ الثلج والیقین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب' فاجلی یھود خیبر۔

ترجمہ :۔ امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں رہیں گے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ابن شہاب کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قول کی پوری تحقیق کی یہاں تک کہ ان کو پورا اطمینان قلب ہو گیا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے تو انہوں نے یہود خیبر کو جلاوطن کر دیا۔

وضاحت :- ایک طرف یمن اور دوسری طرف شام کے کنارے تک جزیرۃ العرب کا علاقہ ہے۔ اس کے متعلق آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اس کی بنیادی وجہ حرم شریف کا تحفظ ہے۔ جس طرح علاقائی سمندر ہوتا ہے کہ اس کے بغیر آپ کے ساحل اور آپ کے ملک کی حفاظت نہیں ہو سکتی تو اسی طریقہ سے حرم کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ جس علاقے میں حرم واقع ہے اس علاقے کو دور دور تک غیر لوگوں سے پاک رکھا جائے۔

باقی رہا دو دین جمع نہ کرنے کا معاملہ تو ایسا ہر مملکت میں ہوتا ہے۔ بااقتیار تو ایک دین ہی ہوتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں بھی ایسا ہے اور پاکستان و ایران میں بھی ایسا ہی ہے۔ کئی دین بیک وقت بااختیار نہیں ہو سکتے لہٰذا اس ہدایت پر تعجب کی کوئی بات نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اس حکم پر یوں عمل کیا کہ فدک اور خیبر کے یہودیوں کو شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ خیبر کے یہود وہاں سے نکل گئے تو نہ ان کا پھل میں کچھ حصہ رہا نہ زمین میں۔ رہے یہود فدک تو ان کے لیے نصف پھل اور نصف زمین کا وعدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اسی بنیاد پر مصالحت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے نصف پھل' نصف زمین اور یہود کے تمام سامان کی قیمت لگوا کر ان کو ادا کر دی۔ چونکہ وہ اہل صلح تھے اس لیے معاہدے کی رو سے ان سے ٹھیک ٹھیک انصاف کیا گیا۔

جامع ماجاء فی امر المدینة

مدینہ کے بارے میں جامع روایات

حدثنی عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم طلع له احد فقال هذا جبل یحبنا ونحبه۔

ترجمہ :- هشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے احد آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

وضاحت :- یہ خیبر سے واپسی کا واقعہ ہے۔ اپنے علاقے کی وادی یا پہاڑ یا ندی سے محبت ہونا بالکل فطری بات ہے۔ اور یہ بات کہ پہاڑ محبت کرتا ہے مجازی معنوں میں ہے۔

حدثنی عن مالک عن یحیی بن سعید بن عبد الرحمٰن بن القاسم ان اسلم مولٰی عمر بن الخطاب اخبره انه زار عبد اللّٰه بن عیاش المخزومی فرای عنده نبیذا وهو بطریق مكة' فقال له اسلم ان هذا شراب یحبه عمر بن الخطاب' فحمل عبد اللّٰه بن عیاش قدحا عظیما' فجاء به الی عمر بن الخطاب' فوضعه فی یدیه' فقربه عمر الی فیه' ثم رفع راسه' فقال عمر ان هذا لشراب طیب' فشرب منه' ثم ناوله رجلا عن یمینه' فلما ادبر عبد اللّٰه ناداه عمر بن الخطاب' فقال اانت القائل لمكة خیر من المدینة؟ فقال

عبد اللّٰه' فقلت : هی حرم اللّٰه وامنه' وفیها بیته' فقال عمر لا اقول فی بیت اللّٰه' ولا فی حرمه شیاء' ثم قال عمر : اانت القائل لمكة خیر من المدینة؟ قال فقلت : هی حرم اللّٰه وامنه' و فیها بیته' فقال عمر : لا اقول فی حرم اللّٰه' ولا فی بیته شیاء' ثم انصرف۔

ترجمہ :- عبد الرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں کہ اسلم نے' جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے' خبر دی کہ انھوں نے مکہ کے راستہ میں عبد اللہ بن عیاش مخزومی سے ملاقات کی تو ان کے پاس نبیذ دیکھی۔ اسلم نے بتایا کہ اس مشروب کو حضرت عمر بہت پسند فرماتے ہیں۔ اس پر عبد اللہ بن عیاش ایک بڑا پیالہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اس کو ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے منہ کے قریب لے گئے' پھر سر اٹھا لیا اور فرمایا کہ یہ مشروب بڑا پاکیزہ ہے۔ انھوں نے اس میں سے پیا اور پھر اپنے داہنے والے ایک شخص کو پکڑا دیا۔ جب عبد اللہ پلٹے تو حضرت عمرؓ نے ان کو پکارا اور پوچھا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے؟ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ اللہ کا حرم اور دارالامن ہے اور اس میں اللہ کا گھر ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بیت اللہ اور حرم کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کہ کیا آپ واقعی یہ کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ سے بہتر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ اللہ کا حرم اور دارالامن ہے اور اس میں اللہ کا گھر ہے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ میں بیت اللہ اور حرم کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ پھر وہ چلے گئے۔

وضاحت :- یہ روایت امام مالک نے اس لیے نقل کی ہے کہ وہ اس سے اس بات کی تائید چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا رجحان مکہ پر مدینہ کی ترجیح کی طرف تھا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ لوگوں میں یہ بحث چل رہی ہے کہ مکہ اور مدینہ میں سے کونسا شہر افضل ہے۔ بعض لوگ مکہ کو ترجیح دے رہے ہیں اور بعض مدینہ کو۔ حضرت عبد اللہ بن عیاش کا نام ان لوگوں میں رہا ہو گا جو مکہ کو ترجیح دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو خود ایسی واضح بات کے بارے میں کوئی اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ عبد اللہ سے ان کے موقف کی تصدیق کر لی جائے۔ جب لوگوں کے اندر کسی بات کا چرچا ہو رہا ہو اور اس سے بظاہر عصبیت جاہلیت کے ابھرنے کا اندیشہ ہو تو حاکم کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس کی تحقیق کرے اور اس کے بارے میں لوگوں کے موقف کو سمجھے۔ حضرت عمرؓ نے یہی تحقیق کرنی چاہی لیکن اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا۔ عبد اللہ نے جو بات کہی اس کو مان لیا۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرض تھا کہ جب قضیہ چل پڑا ہے تو معلوم کریں کہ لوگ کس طریقہ سے سوچ رہے ہیں اور ان کے دلائل کیا ہیں۔ ان جیسے مدبر سے یہ توقع بھی تھی کہ وہ صورت حال کا اندازہ کر لیں اور بلا ضرورت پارٹی نہ بنیں۔ دوبارہ پوچھنے کا مقصد بھی تفتیش ہی تھا۔ اس اللہ کے بندے نے اپنے موقف کے حق میں دلائل واضح کر دیے۔ انھوں نے مکہ کو ترجیح دینے کی بنیاد قرآن مجید پر رکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرم قرار دیا ہے۔ جو شخص اس میں

داخل ہو وہ مامون ہوتا ہے اور اس شہر میں اللہ کا گھر ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مقام کو شرف تو اللہ تعالیٰ کے دینے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو عبد اللہ کی بات سن کر اور ان کے دلائل سے واقف ہو کر اطمینان ہو گیا کہ ان کی سوچ درست ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس پر خاموشی اختیار کی۔

(ترتیب: سعید احمد)

حواشی بقیہ صفحہ 15 سے

۳۸۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے آدم کو نہایت تاکید کے ساتھ ایک ہدایت دی لیکن وہ ایک وقتی جذبہ عجلت سے مغلوب ہو جانے کے سبب سے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور وہ مضبوط عزم کے ساتھ اس پر قائم نہ رہ سکے۔ جلد بازی انسان کی سرشت میں داخل ہے لیکن یہ انسان کے لیے بلغ اسی وقت تک ہے جب تک یہ آدمی کے صبر اور عزم کے کنٹرول میں رہے۔

۳۹۔ شیطان نے آدم کو یہ چکمہ دیا کہ جس خاص درخت کے پھل سے تمھیں روک دیا گیا ہے وہی تو ابدی زندگی اور ابدی بادشاہی کا درخت ہے۔ اگر اس کا پھل نہیں کھاؤ گے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔ حضرت آدمؑ کے دل میں جب یہ کھٹکا پیدا ہو گیا کہ وہ جنت سے نکالے بھی جا سکتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاددہانی سے غافل ہو گئے۔

۴۰۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں شیطان کے فتنوں سے امان میں رہنے کا واحد ذریعہ اللہ کی کتاب ہے۔ جو اس روشنی سے محروم ہے وہ ہر وقت شیطان کی زد میں ہے۔

۴۱۔ ضیق کی زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جو سکون و طمانیت اور فراغ خاطر و شرح صدر کی نعمت سے محروم ہو۔ انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے لیے جو اسباب و سامان بھی مہیا کر لے لیکن اگر وہ خدا پر ایمان اور اس کی ہدایت سے محروم ہے تو وہ غیر مطمئن، ڈانوا ڈول، اندیشہ ناک، مضطرب اور اندرونی خلفشار میں مبتلا رہتا ہے۔ نفس مطمئنہ کی بادشاہی صرف سچے اور پکے ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

۴۲۔ سورج کے طلوع و غروب سے قبل فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ اوقات شب میں عشاء اور تہجد ہیں اور دن کے اطراف میں اشراق یا چاشت، ظہر اور مغرب۔ نبی ﷺ نے انہی اوقات کو اپنے عمل سے منضبط کرکے ان کی حدبندی فرما دی۔ آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ ان میں سے کون سی فرض ہیں اور کون سی نفل۔ یہاں ان نمازوں کی تاکید صبر و عزیمت کے حصول کی تدبیر کے طور پر فرمائی گئی ہے۔

۴۳۔ یعنی تمہارے اور تمہارے ان جانوروں کے لیے روزی فراہم کرنے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ ہم تم سے اس کا مطالبہ نہیں کرتے۔ تم نماز کا اہتمام کرو اور دین پر جمے رہو۔ رزق کی پروا نہ کرو۔ اس کا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔ وہ ہم پر چھوڑ دو۔ تمہیں اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

خالد مسعود

رسول اللہؐ کی دعوت کے مکی دور میں اہل کتاب کا کردار (۲)

امتحان کے لیے نبی ﷺ سے سوالات:

قرآن مجید شاہد ہے اور تاریخی روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ اہل کتاب، نصاریٰ اور یہود، دونوں نے اپنے زعم میں نبی ﷺ کے دعوائے نبوت کا پول کھولنے کے لیے قریش کو بعض ایسے سوالات القا کیے جو ان کی تاریخ کے کم معروف موضوعات سے متعلق تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اول تو محمد ﷺ کو ان کے بارے میں کہیں سے معلومات نہیں ملیں گی اور اگر انھوں نے یونہی بات بنانے کی کوشش کی تو ان کو تالی پیٹنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ شخص بے پر کی اڑا رہا ہے۔ حقیقت کچھ ہوتی ہے اور اس کو کچھ اور بنا کر پیش کر دیتا ہے۔ یہ ایک بر خود غلط آدمی ہے جسے وحی و الہام سے کوئی علاقہ نہیں۔ قرآن مجید نے ایسے سوالات کے نہ صرف جامع و شافی جواب دیے بلکہ اہل کتاب کو ٹاڑا کہ انھوں نے نہایت سبق آموز واقعات کو محض قصہ قرار دے رکھا ہے اور ان سے اپنی اصلاح میں کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ قرآن نے اہل کتاب کی تاریخ کے ان واقعات کی توجیہات کو درست کرکے ان کو صحیح تناظر میں پیش کیا۔ اس طرح یہ سوالات جو اصلاً "نبی ﷺ کو زچ کرنے" آپ کی مخالفت کے لیے قریش کی پیٹھ ٹھونکنے اور آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کو جانچنے کے لیے کیے گئے تھے، اہل ایمان کی تربیت اور قریش کے لیے عبرت ناک انجام کی پیشگوئی کا واسطہ بن گئے، اس نوعیت کے تین نمایاں سوالات اصحاب کہف، ذوالقرنین اور بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کے بارے میں تھے۔

اصحاب کہف کا تعلق نصاریٰ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طویل نیند مسلط کی جو نصاریٰ کے لیے تو ایک عجوبہ کی حیثیت رکھتی تھی یا بصورت دیگر بعض نصاریٰ اس کو اپنے اولیائے کرام کی کرامات اور ان کی خاطر قدرت خداوندی کی عظیم شانوں کا ظہور قرار دیتے ہوں گے۔ نصاریٰ کے مطالبہ پر قرآن نے جب ان کا واقعہ سنایا تو اس بات کو نمایاں کیا کہ اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مضبوط ایمان رکھنے والے اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے والے چند نوجوان تھے۔ انھوں نے قوم کے معبودوں کو برملا بے بنیاد قرار دیا تو ان کی قوم ان کی اس جسارت کو برداشت نہ کر سکی۔ اصحاب کہف کو جب اپنی جانوں کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ شہر سے نکل کر کسی غار میں جا چھپے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی بدولت اپنی خاص شان ظاہر فرمائی اور ان کے وجود کو ان کی قوم کے لیے عظیم الشان نشانی بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ان پر طویل نیند طاری کر دی۔ ان کا کتا غار کے دہانے پر

بیٹھا ان کی نگرانی کرتا رہا۔ اس مدت کے دوران شہر میں اصحاب کہف کی دعوت توحید کے ماننے والوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور ایک وقت آیا جب وہاں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والوں کی اکثریت ہو گئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو نیند سے بیدار کیا اور ان کو اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ وہی قوم جو ان کے خون کی پیاسی تھی اب ان کے لیے عقیدت کے فراواں جذبات رکھتی تھی۔ پہلے وہ شرک کے مظاہر پر جان چھڑکتی تھی لیکن اب اسے اصحاب کہف کی یادگار تعمیر کرنے کا خیال آیا تو اس نے اس کے لیے مسجد کی تعمیر کو موزوں خیال کیا۔ اصحاب کہف کی تاریخ کا یہ باب مکہ میں مشرکین قریش کے ہاتھوں آزمائشوں سے دوچار ہونے والے مسلمانوں کے لیے بے حد امید افزا تھا۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کی مخلصانہ قربانیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کی عظیم شانیں ظاہر ہوں گی۔ البتہ عزیمت کے راستہ سے انھیں لازماً گزرنا ہو گا۔ اس طرح قرآن نے اہل حق کی تاریخ کے ایک گم گشتہ باب کو پھر سے روشن کر دیا تاکہ ان کے قافلہ کے نئے راہ رو اس سے سبق حاصل کر سکیں۔

ذوالقرنین (تورات کے خورس) کی فتوحات سے دلچسپی یہود کو تھی جو ان کو اپنا محسن بادشاہ سمجھتے تھے خورس نے یہود کو بابل کی غلامی سے رہا اور تباہ شدہ بیت المقدس کو از سر نو ان کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ یہود کے سوال کے جواب میں قرآن نے ذوالقرنین کی شخصیت کے جس پہلو کو نمایاں کیا وہ یہ تھا کہ ذوالقرنین معلوم دنیا کے بیشتر حصہ پر ہمہ مقتدر حکمران ہونے کے باوجود کس طرح ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی دولت سے مالا مال تھے۔ تکبر اور ظلم و تعدی سے انھوں نے اپنا دامن بچائے رکھا۔ وہ رعایا کے ہمدرد و غمگسار تھے۔ وہ ان کی مشکلات دور کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے۔ اللہ کے بندوں میں وہ حق شناسی کا جوہر تلاش کرتے اور ان کو ایمان کی راہ اختیار کرنے پر مراعات دیتے۔ ذوالقرنین کے واقعہ میں نہ صرف دنیا پرست یہود کے لیے بلکہ ظالم و جابر متکبرین قریش کے لیے بھی بڑا سبق تھا جس کو قرآن نے اپنے جواب میں واضح کیا۔

مصر میں بنی اسرائیل کے داخلہ کی داستان قرآن نے نہایت دلچسپ انداز میں سنائی لیکن قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی شانوں کو نمایاں کیا جو اس واقعہ میں ظاہر ہوئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا اصل وطن کنعان تھا۔ حضرت یوسفؑ نہایت ہونہار، صالح اور والد کی عزیز ترین اولاد تھے۔ ان کے سوتیلے بھائیوں کو ان سے خاص کد تھی۔ انھوں نے باپ کے اس محبوب بیٹے کو رستے سے ہٹانے کے لیے جنگل میں لے جا کر کسی غیر آباد کنویں میں ڈال دیا۔ وہ اپنے تئیں ان کے وجود سے نجات پا چکے تھے لیکن ہوا یوں کہ بنو اسماعیل کا ایک قافلہ پانی لینے کی غرض سے اس کنویں پر جا پہنچا۔ اس نے یوسف کو کنویں سے نکالا اور اپنے ساتھ مصر لے جا کر ان کو فروخت کر دیا۔ یوسف کا خریدار مصر کے شاہی دربار کا ایک افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے اپنی جاگیر کا انتظام یوسف کے سپرد کر دیا۔ غلامی کے اس زمانہ میں یوسف کو بغیر کسی جرم کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا جس سے رہائی بالکل خدا ساز طریقہ سے

ممکن ہوئی۔ یوسفؑ کو شاہ مصر کا قرب حاصل ہو گیا اور اس نے ان کو ملی وسائل پیداوار کا بااختیار وزیر مقرر کر دیا۔ مصر میں طویل قحط پڑا جس کا مقابلہ کرنے میں یوسف کی عمدہ منصوبہ بندی کام آئی۔ کنعان میں بھی قحط تھا۔ برادران یوسف نے مصر کے حکمرانوں کے حسن انتظام کی شہرت سنی تو وہ بھی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر پہنچے جہاں انھیں یوسف کے سامنے عرض داشت کے لیے پیش ہونا پڑا۔ یوسف بھائیوں کو پہچان گئے اور ان کو افضال و عنایات سے نوازا۔ برادران یوسف پر یہ راز بہت بعد میں کھلا کہ وہ جس شخص کے ممنون ہیں وہ یوسف ہیں۔ انھوں نے یوسف سے معافی مانگی اور تسلیم کیا کہ خطاکار وہی تھے اور اللہ تعالیٰ نے یوسف کو ان کی سلامت روی کا صلہ دیا۔ اس موقع پر یوسف نے تمام اہل خاندان کو کنعان سے بلا کر اپنے پاس مصر میں لا بسایا۔ اس سرگزشت میں اہل مکہ کے کردار اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کے طرز عمل کی مماثلت واضح تھی۔ لہٰذا اس واقعہ کے ذریعے آنحضرتؐ کو یہ تعلیم دی گئی کہ ان کا راستہ نہایت کٹھن اور دشوار گزار ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی عظیم شانیں ظاہر فرمائے گا اور ان کے مخالفین کو اسی طرح آپ کے قدموں میں ڈال دے گا جس طرح برادران یوسف اپنے مقتدر بھائی کے قدموں میں آ گرے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہے۔

تفصیل انبیاء کی بحث:

کسی حریف کو زک پہنچانے اور اس کی حیثیت عرفی کو چیلنج کرنے کا ایک حربہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جس شرف و فضیلت کا دعویدار ہو اس میں اس کو دوسروں سے کمتر ثابت کیا جائے تاکہ عوام پر اس کے دعویٰ کے بارے میں شبہات پیدا ہو جائیں۔ یہود نے یہ حربہ استعمال کیا۔ انھوں نے نبی ﷺ کی تنقیص کی خاطر انبیائے بنی اسرائیل کے فضائل کا چرچا کیا۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں اسلام کی طرف میلان رکھنے والوں کو بدکا دیا جائے کہ اس شخص کے اندر تو وہ خصوصیات ہیں ہی نہیں جو حقیقی انبیاء میں ہوتی ہیں، وہیں مسلمانوں کو ایک غیر ضروری بحث و مباحثہ میں گھسیٹ کر ان کو ان کے اصل ہدف سے غافل کر دیا جائے۔ ایسا کرنے سے یہود کو تعصبات ابھارنے میں مدد مل سکتی تھی۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ یہ تم کو پریشان کرنے اور الجھانے کی ایک شیطانی کاوش ہے۔ اس سے بچ کر رہو اور بحث میں پیغمبروں کے باب میں کوئی ایسی بات نہ کرو جو حق سے ہٹی ہوئی ہو۔ ان کو یہ تلقین بھی فرمائی کہ وہ آنحضرتؐ کی خصوصیات و اختیارات کے پہلوؤں کو ضرور اجاگر کریں لیکن اس بات کو یاد رکھیں کہ سابق انبیاء بھی بعض امتیازات کے حامل تھے، اس لیے ان کا انکار نہ کریں۔ فرمایا

وربک اعلم بمن فی السموت والارض ولقد فضلنا بعض النبین علی بعض واتینا داؤد زبورا (بنی اسرائیل ۵۵)

(اور تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی)

تعلیم کا مذاق:

اہل کتاب نے جہاں قریش کو ایسے اعتراضات سجھائے جن سے وہ پیغمبر ﷺ کو زچ کریں وہیں قرآن مجید کی بعض تعلیمات کو انہوں نے تضحیک کا نشانہ بنایا اور اس میں مشرکین کو بھی شریک کیا۔ ظاہر یہ کیا کہ یہ مضحکہ خیز تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی نہیں ہو سکتیں' یقیناً" یہ نبوت کے اس دعویدار کی مبعوذ باتیں ہیں جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے پیش کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے احوال آخرت کے بیان کا مذاق اڑایا گیا۔ مثال کے طور پر جب قرآن نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی نگرانی کے لیے انیس فرشتے بطور داروغہ مقرر کر رکھے ہیں' نیز دوزخ کی تہہ میں زقوم کا ایک درخت اگے گا جس کا زہریلا اور کڑوا پھل جہنمیوں کو کھلایا جائے گا' تو یہود نے اس تعلیم کا مذاق اڑایا اور مشرکین کے اندر اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ اس کے بعد تحقیر آمیز لہجہ میں یہ کہا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس طرح کی باتوں سے خدا کی کوئی مصلحت پوری ہو سکتی تھی کہ وہ ایسی تعلیم نازل کرتا' یقیناً" یہ محمد ﷺ کی اپنی ذہنی اختراع ہے کہ وہ اس طرح کی انوکھی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر مشرکین اس طرح کی باتیں کرتے تو ان کو کسی قدر معذور قرار دیا جا سکتا تھا کہ وہ آسمانی کتب سے نابلد تھے۔ یہود کا اس طرح کی باتیں کرنا ایک ناقابل معافی جرم اس لیے تھا کہ خود ان کی اپنی کتاب تورات میں احوال آخرت بالکل اسی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ آسمانی کلام کے محرم راز ہونے کے باعث قرآن کے بیان کی فوراً" تصدیق کر دیتے تو ان کے لیے یہی زیبا تھا لیکن وہ خود بھی فتنہ میں پڑے اور اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی اس فتنہ میں مبتلا کرنے کا باعث ہوئے۔ قرآن مجید نے جب جہنم کے داروغوں کی تعداد کی خبر دی تو یہود کے ردعمل کا حوالہ دیتے ہوئے اس تعلیم کی حکمت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

وما جعلنا اصحب النار الا ملئكة وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا ليستيقن الذين اوتوا الكتب ويزداد الذين امنوا ايمانا ولا يرتاب الذين اوتوا الكتب والمومنون وليقول الذين فى قلوبهم مرض والكفرون ماذا اراد الله بهذا مثلا" (مدثر ۳۱)

(اور ہم نے دوزخ پر نگران تو فرشتوں ہی کو بنایا ہے اور ہم نے ان کی تعداد نہیں بیان کی مگر اس لیے کہ یہ آزمائش بنے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا' تاکہ یقین حاصل کریں وہ جن کو کتاب عطا ہوئی' اہل ایمان اس سے اپنے ایمان کو بڑھائیں اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک میں نہ پڑیں۔ اور تاکہ جن کے دلوں میں روگ ہے وہ اور کفر کرنے والے کہیں کہ بھلا اس سے اللہ کی کیا مراد ہے)

مگر اہل کتاب اس تعلیم سے وہ فائدہ اٹھانے سے محروم رہے جو ان آیات کے نزول میں پیش نظر تھا۔

اچھے اہل کتاب کا رویہ:

قرآن مجید کے بارے میں تمام اہل کتاب کا رویہ یکساں نہیں تھا۔ اگرچہ مجموعی طور پر مخالفین ہی کی اکثریت تھی لیکن اچھے اہل کتاب کے ہاں انانیت' ضد اور ہٹ دھرمی کا رویہ نہیں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جگہ جگہ ان کے طرز عمل کی تحسین کی اور توجہ دلائی کہ قرآن مجید کی ہر بات ان کو اپنے دل کی بات نظر آتی ہے اور وہ والہانہ انداز میں اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ وہ اس کے اندر وہی خوشبو پاتے ہیں جس کا تجربہ ان کو اپنی کتاب پڑھ کر ہوتا ہے۔ وہ جب قرآن کی آیات کو سنتے ہیں تو ان سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ گریہ مسرت اور گریہ خشوع کی دوہری کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان کے صحیفوں میں ایک عظیم رسول کی آمد اور اس کے واسطے سے کامل آسمانی کتاب کے نزول کی خبر موجود ہے' لہٰذا وہ منتظر و مشتاق رہے ہیں کہ کب وہ عظیم رسول مبعوث ہوتا ہے۔ اب وہ اس رسول اور اس کی لائی ہوئی کتاب میں ان پیشگوئیوں کا مصداق پا رہے ہیں' جن پر پہلے سے ان کا ایمان رہا ہے۔ قرآن مجید نے ان اہل کتاب کی بار بار تحسین فرمائی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورہ عنکبوت میں ہے:

بل هو ايت بينت فى صدور الذين اوتوا العلم وما يجحد بايتنا الا الظلمون (عنکبوت ۴۹)

(بلکہ یہ تو کھلی ہوئی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیات کا بس وہی لوگ انکار کر رہے ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں)

سورہ رعد میں ہے:

والذين اتينهم الكتب يفرحون بما انزل اليك ومن الاحزاب من ينكر بعضه (رعد ۳۶)

(اور جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس چیز پر خوش ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں)۔

سورہ انعام میں ہے:

الذين اتينهم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم الذين خسروا انفسهم فهم لا يومنون (انعام ۲۰)

(جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا وہی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے)

یہی مضمون سورہ قصص کی آیات 52 تا 55 میں بھی ہے۔ وہاں ان اہل کتاب کی سلامت روی کا صلہ دوہرے اجر کی صورت میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے پہلے دین پر بھی استقامت دکھائی اور جب آخری پیغمبر کا ظہور ہوا تو ان کو پہچاننے میں بھی دیر نہیں کی۔

اچھے اہل کتاب کے اس رویہ میں قریش کے لیے ایک سبق پوشیدہ تھا۔ وہ یہ کہ کسی

صداقت کو خود اس کی اپنی کسوٹی پر جانچا جاتا ہے۔ لہٰذا اول تو قرآن مجید کی حقانیت کو خود اس کے دلائل پر پرکھا جانا چاہیے تھا۔ بصورت دیگر اگر اس کے حق میں کوئی خارجی شہادت ہی مطلوب تھی تو یہ کافی تھا کہ وحی و الہام کا علم رکھنے والے سنجیدہ اور صاحب کردار اہل کتاب کی اس شہادت کو قبول کیا جاتا جو وہ اپنے عمل سے دے رہے تھے' اگرچہ ان کی تعداد کتنی ہی کم تھی۔ سورہ شعرا میں اسی بات کی طرف قریش کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ فرمایا

وانہ لفی زبر الاولین اولم یکن لھم آیۃ ان یعلمہ علموا بنی اسرائیل (شعرا ۱۹۶ ـ ۱۹۷)
(اور اس (قرآن) کا ذکر اگلوں کے صحیفوں میں ہے۔ کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں)
سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

قل امنوا بہ اولا تومنوا ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیھم یخرون للاذقان سجدا ویقولون سبحن ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا ویخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا (بنی اسرائیل ۱۰۷ ـ ۱۰۹)
(ان سے کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' وہ لوگ جن کو اس کے پہلے سے علم ملا ہوا ہے جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ شدنی تھا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور یہ ان کے خشوع میں اضافہ کرتا ہے)

رہ گیا یہ سوال کہ یہ اچھے اہل کتاب کون لوگ تھے تو اس بارے میں تعین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ قرآن مجید نے نصاریٰ کی جگہ جگہ تعریف کی ہے اور اس کثرت سے کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہی وہ گروہ ہے جو اسلام کی تعلیم سے جلد متاثر ہوا۔ چنانچہ مکہ میں رہنے والے نصاریٰ' جن کا تعلق دوسرے علاقوں سے تھا' ابتداء ہی میں مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ یہود مکی دور میں آنحضرتؐ کی دعوت سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ جس قدر بحثیں اس دور میں انہوں نے اٹھائیں اور قرآن نے جس اہتمام سے ان کے موقف کو رد کیا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہوگا کہ ان کے انصاف پسند علماء کے ذہن مکی دور میں اسلام کے بارے میں صاف ہوئے ہوں گے اور وقت آنے پر وہ بھی اہل حق کے قافلہ سے آ ملے ہوں گے' اگرچہ ان کی تعداد بہت کم رہی ہو۔ مکی دور میں وہ اگر نمایاں نہیں ہوئے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہود کے مراکز مکہ سے باہر تھے جبکہ دین اسلام کا مرکز اس وقت مکہ شہر ہی تک محدود تھا۔

اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ:

آنحضرتؐ کی دعوت کے ابتدائی سالوں میں اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ میں الجھنے سے

مسلمانوں کو روکا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ گروہ دین و شریعت اور آسمانی صحف کا حامل اور پیغمبروں کی روایات کا امین تھا۔ اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ جلد یا بدیر دعوت کے بارے میں اس کے شبہات رفع ہو جائیں گے اور وہ حق کا علمبردار بن کر آگے بڑھے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ وہ اہل کتاب کے ساتھ بحث میں تلخی پیدا کرنے سے گریز کریں۔ اس کے برعکس ان کو احساس دلائیں کہ ان کے اور اہل کتاب کے درمیان دینی تعلیمات اور اخلاقی اقدار مشترک ہیں۔ مثلاً مسلمانوں اور اہل کتاب دونوں کا معبود ایک اللہ ہے۔ قرآن اور سابقہ صحیفوں میں توحید کی تعلیم یکساں ہے۔ اہل کتاب جس طرح اپنے صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں مسلمان نہ صرف قرآن پر بلکہ ان کے صحیفوں کی حقانیت پر بھی ایمان رکھتے ہیں کیونکہ تمام کتب سماوی کا منبع و ماخذ ایک ہی ہے۔ پھر اہل کتاب کے صحیفوں کی پیشگوئیاں قرآن اور پیغمبر ﷺ پر صادق آ رہی ہیں۔ لہٰذا مسلمان اہل کتاب کو بتائیں کہ ان کے لیے صحیح روش یہ ہے کہ وہ ان مشترک تعلیمات و اقدار کے لوازم کو تسلیم کریں اور اپنی مانی ہوئی باتوں کی اپنے عمل سے تردید نہ کریں۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا:

ولا تجادلوا اھل الکتب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون (عنکبوت ۴۶)
(اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے' بجز ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف اتاری گئی' اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں)

چونکہ عرب معاشرہ میں اہل کتاب کو خاص احترام حاصل تھا قرآن نے اس کا لحاظ کیا۔ حتیٰ کہ قریش کو دین کی اس دعوت میں جو اشکالات درپیش تھے ان کے بارے میں انہیں مشورہ دیا کہ اہل کتاب چونکہ دینی امور سے واقفیت رکھتے ہیں' لہٰذا وہ ان اشکالات کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کریں۔ مثلاً سورہ نحل میں ہے:

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینت والزبر (نحل ۴۳)
(اور ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو دلائل اور کتابوں کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)

یہ ہدایت اس موقع پر دی گئی جب قریش کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا کہ ایک بشر بھی خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔ اہل کتاب کی تاریخ اس بات کی شاہد تھی کہ منصب رسالت پر ہمیشہ بشر ہی فائز ہوتے رہے۔ یہی مضمون سورہ انبیاء آیت 7 میں بھی ہے۔
سورہ یونس میں فرمایا:

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرء ون الکتب من قبلک لقد جاء ک

الحق من ربک فلا تکونن من الممترین ولا تکونن من الذین کذبوا بایت اللہ فتکون من الخسرین (یونس ۹۴ - ۹۵)

(پس اگر تم شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تو ان لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے کتاب پڑھتے آرہے ہیں۔ بے شک تم پر تمہارے رب کی طرف سے حق نازل ہوا ہے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جیو جنھوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی کہ تم بھی نامرادوں میں سے ہو جاؤ)

اس آیت میں وحی الٰہی کے بارے میں شکوک و شبہات رفع کرنے کے لیے قریش کو اہل کتاب کی طرف رجوع کا مشورہ دیا ہے۔ اس میں خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے لیکن عتاب کا رخ حقیقت میں مشرکین کی طرف ہے جن کا اٹھایا ہوا طوفان لوگوں کے دلوں میں قرآن کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔

بعد میں جب اہل کتاب کا مجموعی رویہ قرآن کی مخالفت کی صورت میں سامنے آیا اور وہ اپنے تئیں حق پر قائم گروہ کی حیثیت سے سامنے لا کر کسی بھی نئی نبوت کو غیر ضروری قرار دینے لگے تو قرآن نے بھی ان کی اصلیت کو کھولنا شروع کر دیا اور واضح کیا کہ یہود ہوں یا نصاریٰ' یہ اس امانت کو ضائع کر چکے جو ان کے حوالہ کی گئی تھی اور جس کے سبب سے ان کی دینی حیثیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس عمل میں 'مکی دور کے آخری سالوں میں' قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں کے مزعومات و عقائد پر سخت ضرب لگائی اور ان کی غلطیوں کو بے نقاب کیا۔ برے اہل کتاب کے قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا کہ تمام انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو اپنے اپنے زمانے کے شیاطین کے ہاتھوں ایسے حالات سے سابقہ پیش آیا ہے۔ وہ پیغمبروں کے دعوتی منصوبوں کی راہ میں اپنے دجل و فریب سے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے راہ حق کی آزمائش و ابتلا کا حصہ ہوتا ہے جس سے گھبرانے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں۔ تمام مخالفت آہستہ آہستہ دم توڑ جائے گی۔ اہل ایمان یکسوئی کے ساتھ اپنے کام سے کام رکھیں۔

جوں جوں اہل کتاب کی طرف سے خلاف توقع مخالفت میں اضافہ ہوا تو ضروری ہو گیا کہ ان کی موجودہ دینی حیثیت کو واضح کیا جائے چنانچہ نصاریٰ اور یہود دونوں کے بارے میں نہایت اہم سورتیں مکی دور ہی میں نازل ہو گئیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ مکہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کا عمل دخل خاصا بڑھ گیا تھا اور وہ نئی دعوت کے مقابلہ میں خاصا موثر کردار ادا کر رہے تھے جس کا توڑ کرنا اسی دور میں ضروری ہو گیا۔

خالد مسعود

یہود کو نبی امیؐ پر ایمان لانے کی دعوت

مکی دور کی سورتوں میں یہود کے بارے میں مفصل بیان سورہ اعراف میں آیا ہے۔ اس میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی ان کی احسان ناشناسی کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ان کو یاد دلایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد' مصر کے زمانہ قیام میں' فرعون کے ہاتھوں ان کو کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دور ابتلا کے بعد ان کے صبر و استقامت کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو غرق دریا کر دیا اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی نصیب ہوئی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس عظیم احسان پر اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہوتے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بت پرستی کی طرف میلان ظاہر کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ جس طرح دوسری قوموں کے دیوتاؤں کے بت ہیں اسی طرح ان کے لیے بھی بت فراہم کیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس مطالبہ کی غلطی واضح کی اور قوم کو اللہ واحد کی عبادت پر کاربند رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شریعت سے نوازنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تیس دنوں کے لیے کوہ طور پر آئیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کریں۔ وہ گئے تو ان کی مدت قیام دس دن بڑھا دی گئی اور احکام تختیوں پر لکھ کر ان کے حوالے کیے گئے تاکہ وہ اپنی قوم کو آسمانی ہدایت کا یہ تحفہ دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر قیام کے دنوں میں ان کی قوم کے ان لوگوں نے جو بت پرستی کے شائق تھے قوم کے اندر فساد پھیلایا اور بچھڑے کا مجسمہ بنا کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو انھوں نے قوم کے ذمہ داروں کو سرزنش کی کہ انھوں نے شریروں کی اس مفسدہ پردازی کو کیوں برداشت کیا۔ اس کے بعد انھوں نے قوم کے ستر چیدہ اشخاص کی معیت میں کوہ طور پر جا کر اجتماعی توبہ کی۔ اس موقع پر شدید زلزلہ آیا۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے قوم کے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی کی دعا کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ میری رحمت ہر شے کو پہنچتی ہے تاہم میں ان لوگوں کو لازماً" اس سے نوازوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے' زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

سورہ اعراف میں اس مقام پر "ہماری آیات پر ایمان لانے والوں" کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ وہ جو "رسول نبی امی" پر ایمان لائیں گے۔ فلاح انہی لوگوں کو حاصل ہو گی جو نہ صرف اس رسول پر ایمان لائیں گے بلکہ اس کی تائید و نصرت کریں گے اور وہ جو روشنی لے کر آئے گا اس کی پیروی کریں گے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میں اللہ کا رسول مبعوث ہو چکا ہوں لہٰذا اب "رسول نبی امی" پر ایمان کا وعدہ پورا کرو تاکہ تم راہ یاب ہو سکو۔

اگلی آیات میں پھر بنی اسرائیل کی بعض نالائقیوں اور بدعہدیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ ان

کے جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں تتر بتر کر دیا اور وقتاً" فوقتاً" ان کے اوپر سخت گیر لوگ مسلط کیے جو ان کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالتے رہے۔ بنی اسرائیل کے تذکرہ کے اختتام پر انکو یاد دلایا ہے کہ تم کو کتاب عطا کرکے اس کی پیروی کا جب عہد لیا گیا تھا تو یہ دامن کوہ میں لیا گیا تھا اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال و جبروت کا مشاہدہ کرایا تھا تاکہ تم یاد رکھو کہ جس رب سے تم یہ عہد کر رہے ہو وہ بے پناہ قوت و قدرت والا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عہد بنی اسرائیل کے ستر سرداروں کی توبہ کے واقعہ کے بعد لیا گیا ہو گا تاکہ پوری قوم اس میں شریک ہو سکے۔

سورہ اعراف کے اس بیان میں جو چیز قابل غور ہے وہ رسول نبی امیؐ پر ایمان کا مطالبہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اس کو اس عہد میں شامل کر رہا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بنی اسرائیل نے ان سے کیا تھا۔

موجودہ تورات میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر کتاب خروج میں بھی ہے اور کتاب استثنا میں بھی لیکن وہ اس فطری ترتیب کے مطابق نہیں جو قرآن کے بیان میں نظر آتی ہے۔ کتاب خروج کے مطابق عبور دریا کے تین ماہ بعد بنی اسرائیل نے صحرائے سینا میں کوہ طور کے سامنے منزل کی۔ اس مقام کا نام حورب تھا۔ حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو حکم ہوا کہ

> "تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سنا دے کہ تم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں سے کیا کیا اور تم کو گویا عقاب کے پروں پر بٹھا کر اپنے پاس لایا۔ سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیونکہ ساری زمین میری ہے۔ اور تم میرے لیے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہو گے" (خروج 19:3-6)

حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ سے اتر کر بنی اسرائیل کے اکابر کو جمع کرکے یہ پیغام سنایا تو

> "سب لوگوں نے مل کر جواب دیا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے وہ سب ہم کریں گے۔ اور موسیٰ نے لوگوں کا جواب خداوند کو جا کر سنایا"_ (خروج 19:8)

ان اقتباسات میں جب حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں کہ "میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو" اور بنی اسرائیل جواب میں کہتے ہیں کہ "جو کچھ خدا نے فرمایا ہے وہ سب ہم کریں گے" تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ تورات کے بعض احکام اس سے پہلے نازل ہو چکے ہوں گے یعنی حضرت موسیٰؑ کے چالیس دن تک کوہ طور پر رہنے اور وہاں سے الواح لانے کا واقعہ اس سے پہلے کا ہونا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں کتاب خروج کے یہ بیانات ستر آدمیوں کی توبہ کے بعد کے حالات سے متعلق ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس واقعہ کے فوراً" بعد حکم ہوا کہ تمام بنی اسرائیل پاک صاف ہو کر تیسرے روز پہاڑ کے دامن میں جمع ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تورات کا بیان ہے:

> "جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے۔ اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا"_ (خروج 19:16-18)

صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بیان دامن کوہ میں بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا ہے جو کتاب الٰہی پر مضبوطی سے کاربند رہنے کے لیے لیا گیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال و جبروت کا مظاہرہ کیا تاکہ بنی اسرائیل یاد رکھیں کہ کتاب الٰہی کسی کمزور ہستی کی طرف سے نازل نہیں ہو رہی ہے کہ جس کے ساتھ وفاداری کا عہد کرنے کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

بنی اسرائیل نے جب پہاڑ کی کیفیت دیکھی تو گھبرا گئے۔ تورات کا بیان ہے کہ

> "جب لوگوں نے یہ دیکھا تو کانپ اٹھے اور دور کھڑے ہو گئے اور موسیٰ سے کہنے لگے تو ہی ہم سے باتیں کیا کر اور ہم سن لیا کریں گے لیکن خدا ہم سے باتیں نہ کرے تا نہ ہو کہ ہم مر جائیں"_ (خروج 20:18-19)

اس موقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے قریب بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "تم کہنے لگے کہ خداوند ہمارے خدا نے اپنی شوکت اور عظمت ہم کو دکھائی اور ہم نے اس کی آواز آگ میں سے آتی سنی۔ آج ہم نے دیکھ لیا کہ خداوند انسان سے باتیں کرتا ہے تو بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ سو اب ہم کیوں اپنی جان دیں کیونکہ ایسی بڑی آگ ہم کو بھسم کر دے گی۔ اگر ہم خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنیں تو مر ہی جائیں گے کیونکہ ایسا کون سا بشر ہے جس نے زندہ خدا کی آواز ہماری طرح آگ میں سے آتی سنی ہو اور پھر بھی جیتا رہا۔ سو تو ہی نزدیک جا کر جو کچھ خداوند ہمارا خدا کہے اسے سن لے اور تو ہی وہ باتیں جو خداوند ہمارا خدا تجھ سے کہے ہم کو بتانا اور ہم اسے سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے"_ (استثنا 5: 24-27)

معلوم ہوا کہ اس موقع پر بنی اسرائیل کو شریعت دینے کے ساتھ ساتھ خدا کے جلال کا مشاہدہ کرایا گیا اور انھوں نے سمعنا و اطعنا کا اقرار کیا۔ البتہ خوف زدہ ہو کر انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ احکام عطا کرنے کا یہ انداز نہایت ہیبت ناک ہے لہٰذا ہمیں اس میں شریک نہ کیا جائے اور موسیٰؑ خود ہی احکام حاصل کرکے بتا دیا کریں تو بنی اسرائیل ان کی اطاعت کیا کریں گے۔ اس واقعہ کا اظہار موقع کوہ طور پر موسیٰؑ کے چالیس روزہ قیام کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ اس موقع پر قوم کو احکام

عطا کر دینے کے بعد ان کے پیغمبر کو پہاڑ پر دوبارہ وہی احکام الواح کی صورت میں دینے کا کیا فائدہ تھا۔

بنی اسرائیل ایک شکی مزاج اور سرکش قوم تھے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے ستر بزرگوں کی اجتماعی توبہ کے علاوہ ان سے عہد کی باقاعدہ تقریب بھی منائی گئی تاکہ وہ ان کے ہاں یادگار رہے۔ کتاب خروج میں ہے:

"اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں اور صبح کو سویرے اٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے۔ اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا جنھوں نے سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور بیلوں کو ذبح کرکے سلامتی کے ذبیحے خداوند کے لیے گزرانے۔ اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا اور آدھا قربان گاہ پر چھڑک دیا۔ پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ انھوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کریں گے اور تابع رہیں گے۔ تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا دیکھو یہ اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے اب سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے"۔ (خروج 24: 4-8)

گویا معاہدہ کے لیے ذبیحہ کا خون ایک طرف تو بنی اسرائیل پر چھڑکا گیا اور دوسری طرف قربان گاہ پر چھڑکا گیا جو خداوند تعالیٰ کی قائم مقام تھی۔ یہ حلف کی ایک قسم تھی۔ اس کا مطلب یا تو اس بات کا اظہار تھا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے حلیف ہیں یا یہ کہ اس عہد کی حفاظت میں وہ اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے اس عہد میں کون سے احکام شامل تھے۔ کتاب خروج میں مشہور و معروف احکام عشرہ (TEN COMMANDMENTS) کا ذکر بھی ہے اور مزید احکام کا بھی جو چند ابواب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ البتہ کتاب استثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ خطبہ شامل ہے جو انھوں نے وفات سے قبل بطور وصیت بنی اسرائیل کو دیا۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"اے اسرائیلیو! تم ان آئین اور احکام کو سن لو جن کو میں آج تم کو سناتا ہوں تاکہ تم ان کو سیکھ کر ان پر عمل کرو۔ خداوند ہمارے خدا نے حورب میں ہم سے ایک عہد باندھا۔ خداوند یہ عہد ہمارے باپ دادا سے نہیں بلکہ خود ہم سب سے جو یہاں آج کے دن جیتے ہیں باندھا۔ خداوند نے تم سے اس پہاڑ پر روبرو آگ کے بیچ میں سے باتیں کیں۔ اس وقت میں تمہارے اور خداوند کے درمیان کھڑا ہوا تاکہ خداوند کا کلام تم پر ظاہر کروں کیونکہ تم آگ کے سبب سے ڈرے ہوئے تھے اور پہاڑ پر نہ چڑھے"۔ (استثنا 5: 1-5)

یاد رہے کہ حورب کوہ سینا کے دامن میں واقع اس مقام کا نام ہے جہاں بنی اسرائیل عہد

کے لیے جمع ہوئے تھے اور پہاڑ پر زلزلہ طاری کر دیا گیا تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ التجا کی تھی کہ ان تک احکام پہنچانے کی یہ ہیبت ناک شکل آئندہ اختیار نہ کی جائے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر اعتماد کریں گے اور وہ جو احکام دیں گے ان کو قبول کریں گے۔

اپنے اس خطاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے پچھلے چالیس برس کے رویوں پر تبصرہ کیا ان کو دیے گئے خاص خاص احکام کی یاد دہانی کرائی اور تلقین فرمائی کہ وہ خداوند کے عہد پر پورا اتریں۔ انہی احکام میں سے حسب ذیل حکم بھی ہے:

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے' یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے' میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا"۔ (استثناء 18: 15-19)

اس تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حورب کے مقام پر کچھ بنیادی احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی موجودگی میں دیے گئے لیکن جب وہ گھبرا گئے اور یہ درخواست پیش کی کہ باقی احکام صرف حضرت موسیٰؑ کو دے دیے جائیں تو وہ بے چون و چرا ان کو تسلیم کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ نے باقی احکام و فرامین موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے نازل فرمائے۔ ایک پیغمبر کے برپا ہونے کا وعدہ اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے' بعد میں دیا گیا لیکن یہ بنی اسرائیل کے قول و قرار کے مطابق ان کے عہد ہی میں شامل تھا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے حورب کے عہد ہی کے حوالہ سے اس حکم کی یاددہانی اپنی وصیت میں بنی اسرائیل کو کرائی۔ اور یہی وہ عہد ہے جس کا حوالہ سورہ اعراف کی آیات 156 - 157 میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس خطاب میں وہ علامات و خصوصیات بیان کر دی گئی ہیں جن کی مدد سے اس پیغمبر کو پہچاننا ممکن ہو سکے جب اس کی بعثت ہو۔ وہ علامات حسب ذیل ہیں:

1۔ وہ پیغمبر بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہو گا۔ یہ اس پیغمبر کے نسب کی اطلاع دی گئی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا فرد نہیں ہو گا بلکہ ان کے بھائیوں میں سے ہو گا۔ بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ کے بڑے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد ابراہیم میں سے اس پیغمبر کو بنی اسماعیل میں پیدا کیا جائے گا۔ بنی اسماعیل کو اہل

کتاب کے مقابل میں کتاب اللہ سے نابلد سمجھا اور امی کہا جاتا تھا۔ چنانچہ سورہ اعراف میں بھی یہود کو " نبی امی " پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

2۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد شکل و صورت کی مماثلت نہیں بلکہ منصب رسالت کی مماثلت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نمایاں ترین خصوصیات تین ہیں۔ اولاً" آپ رسول تھے۔ ثانیاً" آپ قانون و شریعت لائے اور ثالثاً" آپ کی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ یہ تینوں خصوصیات آنحضرت ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کے ہاتھوں شریعت الٰہی کی تکمیل ہوئی اور آپ کی دعوت سابق تمام انبیاء و رسل کے مقابل میں سب سے زیادہ کامیاب رہی۔ آپ کے مخالفین نامراد ہوئے اور آپ کے ہاتھوں حکومت الٰہیہ قائم ہوئی۔ یہ تینوں خصوصیات پوری تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرتؐ کے سوا کسی نبی میں جمع نہیں ہوئیں۔

3۔ اس کی نبوت میں وحی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کسی پہاڑ پر دہشت ناک مناظر نہیں دیکھنے پڑیں گے جن کے اندر سے لوگ خدا کا کلام سنیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔ قرآن مجید نے نبی ﷺ کی ایک خصوصیت انہی الفاظ میں بیان کی ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحٰی (النجم 3 - 4)

(اور وہ اپنے جی سے نہیں بولتا۔ یہ تو بس وحی ہے جو اس کو کی جاتی ہے)

4۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہر کام کرے گا۔ قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں دو ٹوک انداز میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ کلمات میں اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نواہی اور منصب رسالت کے تمام تقاضے آ جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن وہ امیوں میں سے نہ تھے۔ نہ ان کے منہ میں اللہ کا کلام تھا' نہ وہ مخالفین پر غلبہ پا سکے اور نہ انھوں نے قوم کو نئی شریعت عطا کی۔ انھوں نے واضح طور پر فرمایا کہ میں تورات ہی کی شریعت کو نافذ کرنے آیا ہوں۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کی خصوصیات کے کامل مصداق نبی اکرم ﷺ تھے اس لیے یہود کو ان کا عہد یاد دلاتے ہوئے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

قل یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموٰت والارض لا الہ الا ھو یحیی ویمیت فامنوا باللّٰہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (اعراف 158)

(کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس اللہ کا جس کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ وہ ہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے نبی امی رسول پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ یاب ہو)

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے	پیسے
1۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	264	00
2۔ حکمت قرآن	75	00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

	روپے	پیسے
1۔ تدبر قرآن : (9 جلد)	2376	00
(فی جلد)	264	00
2۔ مبادی تدبر قرآن	87	00
3۔ مبادی تدبر حدیث	72	00
4۔ حقیقت شرک و توحید	105	00
5۔ حقیقت نماز	45	00
6۔ حقیقت تقویٰ	45	00
7۔ تزکیہ نفس : جلد دوم	87	00
8۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	90	00
9۔ اسلامی قانون کی تدوین	60	00
10۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	60	00
11۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	87	00
12۔ قرآن میں پردے کے احکام	10	00
13۔ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	90	00
14۔ تفہیم دین	72	00
15۔ مقالات اصلاحی : جلد اول	114	00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ' اچھرہ' لاہور - 54600 - پاکستان

فون = 7595200